ماہنامہ

اشراق

لاہور

فروری ۲۰۱۶ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

"اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے، جس کی بنیاد اصول وعقائد پر ہے نہ کہ نسل، نسب یا خاندان پر۔ تمام مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہیں، اس ریاست میں بالکل مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر یہ کہ ایک شخص دین اور تقویٰ، تفقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے دوسرے پر فضیلت رکھتا ہو۔"

—— مقالات

www.javedahmadghamidi.org

فہرست

اس شمارے میں		
اس شمارے میں	نعیم احمد	۴
قرآنیات		
البیان: النحل ۱۶: ۱-۹ (۱)	جاوید احمد غامدی	۵
معارف نبوی		
مرحومہ ماں کی طرف سے نذر	معز امجد / شاہد رضا	۹
سیر و سوانح		
حضرت فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا	محمد وسیم اختر مفتی	۱۷
حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	۲۰
حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	۲۰
مقالات		
خلافت کے لیے قرشیت کی شرط	مولانا امین احسن اصلاحی	۲۱
نقطۂ نظر		
بعد از موت (۱۰)	رضوان اللہ	۳۵
یسئلون		
ضبط ولادت کے حق میں قرآن سے استدلال	مولانا امین احسن اصلاحی	۴۵
ادبیات		
غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ نحل اور بنی اسرائیل کے تعارف اور سورۂ نحل کی آیات ۱-۹ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں کفار قریش کو عذاب الٰہی کی تنبیہ کی گئی ہے اور ان سے کہا گیا کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے، رحمٰن کے مقابلے میں وہ تمھارے کسی کام آنے والے نہیں ہیں۔

''معارف نبوی'' میں شاہد رضا صاحب کے مضمون میں مرحومہ ماں کی طرف سے مانی گئی نذر پوری کرنے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ معز امجد صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

''سیر و سوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون میں جلیل القدر صحابیہ حضرت فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام اور ہجرت حبشہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کے تحت حضرت حاطب بن حارث اور معمر بن حارث رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔

''مقالات'' میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون ''خلافت کے لیے قرشیت کی شرط'' میں ایک حدیث 'الأئمة من قريش' (خلفا قریش میں سے ہوں گے) کے حوالے سے عام تصور کو رد کرتے ہوئے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون ''بعد از موت'' کے دسویں حصے میں جنت کی تصویر کشی کی ہے۔ اس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ دنیوی جنت کے لیے اسباب اور پروردگار عالم کا اذن چاہیے اور اخروی جنت کے لیے ایمان و عمل اور پروردگار عالم کا فضل درکار ہے۔

''یسئلون'' میں قرآن کی رو سے ضبط ولادت کی حیثیت کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا تفصیلی جواب شامل اشاعت ہے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

النحل - بنی اسرائیل

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا باہمی تعلق اجمال اور تفصیل کا ہے۔ چنانچہ پہلی سورہ میں جو چیزیں اشارات کی صورت میں ہیں، دوسری میں اُن کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ یہود سے مفصل خطاب، اخلاق کے فضائل و رذائل کی وضاحت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے لیے تیاری کی ہدایت اِس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

دونوں سورتوں کا موضوع انذار و بشارت ہے جو پچھلی سورتوں سے چلا آ رہا ہے اور دونوں میں خطاب اصلاً قریش ہی سے ہے۔ دوسری سورہ ـــــ بنی اسرائیل ـــــ میں، البتہ یہود سے بھی مفصل خطاب کیا گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ قریش کی حمایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے اب وہ بھی پوری طرح میدان میں آ چکے ہیں۔

اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں اُس وقت نازل ہوئی ہیں، جب ہجرت کا مرحلہ قریب آ گیا ہے۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النحل

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾ یُنَزِّلُ
الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے، سو اُس کے لیے جلدی نہ مچاؤ[۱]۔ وہ پاک اور برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں[۲]۔ (اِنھیں بتاؤ، اے پیغمبر کہ ہر شخص اِس کا اہل نہیں ہوتا کہ اللہ اُس پر فرشتے اتار دے)۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اپنے حکم کی وحی[۳] کے ساتھ فرشتے اتارتا ہے، (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا (تمھارا) کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا

۱؎ یہ اُس فیصلے کا اعلان ہے جو رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد لازماً صادر ہو جاتا ہے۔ قرآن کے مخاطبین اُسی کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے۔ یہ اُنھی کو خطاب فرمایا ہے۔

۲؎ اِس آیت میں پہلے براہ راست خطاب ہے، پھر غائب کا صیغہ آ گیا ہے۔ یہ التفات کیوں ہوا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۳﴾
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ
فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ
وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ

مجھی سے ڈرو۔ اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے[۴]۔ (اُس کے فیصلوں پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا)، وہ برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔ اُس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا تو دیکھتے ہو کہ یکایک وہ ایک کھلا ہوا حریف بن کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے[۵]۔ یہ چوپایے بھی اُس نے پیدا کیے ہیں جن میں تمھارے لیے جاڑے کی پوشاک ہے اور دوسرے فائدے بھی اور اِن سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ اِن کے اندر تمھارے لیے جمال بھی ہے، جبکہ شام کے وقت اِن کو واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرنے کے لیے چھوڑتے ہو[۶]۔ یہ تمھارے بوجھ ایسی جگہوں تک لے جاتے

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

”...اِس میں بلاغت یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں تہدید و وعید ہے جس کے لیے خطاب ہی کا اسلوب زیادہ موزوں ہے اور اِس دوسرے ٹکڑے میں کراہت و نفرت کا اظہار ہے جس کے لیے غائب کا صیغہ زیادہ مناسب تھا۔ گویا بات اُن سے منہ پھیر کر فرمائی گئی۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۳۸۹)

۳؎ اصل میں 'بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اپنے حکم کی روح کے ساتھ۔ 'رُوْح' سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ اِس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جو پھونک یا کلمہ خدا سے صادر ہو کر فرشتہ بن جاتا ہے یا انسان کا قالب اختیار کرتا ہے یا لفظ کا جامہ پہنتا ہے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے۔

۴؎ یعنی غایت و حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ یہ کائنات بامعنیٰ انجام کو پہنچے اور اِس میں جو کچھ ہوا ہے، خدا کی عدالت انصاف کے ساتھ اُس کا فیصلہ سنا دے۔ یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اِس میں جو چاہیں، کرتے پھریں اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہو۔

۵؎ اشارہ ہے اُنھی سرکشوں کی طرف جو اُس وقت قرآن کے مخاطب تھے۔

الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

ہیں، جہاں تم جان توڑ کر ہی پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار بڑا ہی شفیق، بڑا مہربان ہے۔ یہ گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی اُس نے پیدا کیے ہیں تاکہ تم اِن پر سوار ہو اور یہ زینت بھی ہیں۔ وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے۔ (اُس کو پانا چاہتے ہو تو جان لو کہ) اللہ تک سیدھی راہ پہنچاتی ہے، جبکہ راہیں ٹیڑھی بھی ہیں۔ (اُس نے تمھیں اختیار دیا ہے کہ جو راہ چاہے، اختیار کرو)، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (اُسی ایک راہ کی) ہدایت دے دیتا۔ ۱-۹

۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ'۔ اِن میں 'سَرْح' کو بظاہر 'اِرَاحة' پر مقدم ہونا چاہیے تھا، لیکن قرآن نے اُسے موخر کر دیا ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''...اِس کی وجہ یہ ہے کہ موقع کلام اظہار شان کا ہے اور شان کا اظہار گلے کی شام کو واپسی میں زیادہ ہے، جبکہ وہ چراگاہ سے چر چگ کے تازگی اور فربہی کی حالت میں گھر کو واپس آتا ہے۔ یہ بات اِس درجہ میں اُس وقت نہیں ہوتی، جب وہ صبح کو چرنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/۳۹۱)

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

مرحومہ ماں کی طرف سے نذر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: اسْتَفْتٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَذْرٍ كَانَ عَلٰى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَاقْضِهِ عَنْهَا. (مسلم، رقم ۱۶۳۸)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ أَفَيُجْزِءُ عَنْهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا؟ قَالَ: أَعْتِقْ عَنْ أُمِّكَ. (نسائی، رقم ۳۶۵۶)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے بارے میں سوال کیا جو ان کی والدہ پر تھی اور وہ اسے پورا کرنے سے پہلے ہی انتقال کر گئی تھیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے یہ نذر پوری کر دو[۱]۔

حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: بے شک، میری والدہ انتقال کر چکی ہیں اور ان کے ذمے ایک نذر ہے، اگر میں ان

کی طرف سے ایک غلام آزاد کردوں تو کیا یہ نذر ان کی طرف سے پوری ہو جائے گی[۲]؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اپنی والدہ کی طرف سے ایک غلام آزاد کردو[۳]۔

حواشی کی توضیح

۱۔جس طرح دیگر قرض خواہ انسانوں کا قرض حق ہے، اسی طرح قضا نذریں بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔ آدمی کو حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کے معاملے میں بھی نہایت محتاط رہنا چاہیے، اس لیے کہ روز قیامت اسے ان حقوق کا بار برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ ایک امر بدیہی ہے کہ یہ بات اس صحابی (حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کے لیے باعث تشویش تھی جس نے اسے اپنی والدہ کی نذر پوری کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے پر آمادہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو اپنی والدہ کی نذر پوری کرنے اور جس طرح وہ اپنی والدہ کو دیگر ذمہ داریوں سے آزاد کرنا چاہتے تھے، اسی طرح اس ذمہ داری سے آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔

۲۔اس روایت میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی یا غلام آزاد کرنا قضا نذر کے کفارے کے طور پر تھا۔ بہ صورت دیگر یہ بات بالبداہت واضح ہے کہ جس طرح کسی دوسرے شخص کی جانب سے قرض کی ادائیگی کی جاتی ہے، بالکل اسی طرح اس صحابی (رضی اللہ عنہ) کے اس عمل کا مقصد بھی اپنی فوت شدہ والدہ کو قضا نذر کے باعث عائد ہونے والی ذمہ داری سے آزاد کرنا تھا۔

۳۔ان روایات اور اس طرح کی دیگر روایات کا قرآن مجید کے بنیادی اصول 'لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى'* (انسان کو (آخرت میں) وہی ملے گا جو اس نے (دنیا میں) کمایا ہے) کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیے۔

متون

پہلی روایت بعض اختلافات کے ساتھ بخاری، رقم ۲۶۱۰، ۶۳۲۰، ۶۵۵۸؛ مسلم، رقم ۱۶۳۸ا، ۱۶۳۸ب؛ ابوداؤد، رقم ۳۳۰۷؛ ترمذی، رقم ۱۵۴۶؛ نسائی، رقم ۳۶۵۷-۳۶۶۳، ۳۸۱۷-۳۸۱۹؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۳۲؛ احمد، رقم ۳۵۰۶؛ ابن حبان، رقم ۴۳۹۳-۴۳۹۵؛ بیہقی، رقم ۸۰۲۱، ۱۲۴۱۳، ۱۹۹۳۴؛ موطا امام مالک، رقم ۱۰۰۷؛ مسند ابویعلیٰ، رقم ۲۳۸۳، ۲۶۸۳؛ مسند حمیدی، رقم ۵۲۲؛ عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۳۳-۱۶۳۳۴؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۴۷۵۹-۴۷۶۱، ۴۷،

*النجم ۵۳: ۳۹۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۶۴۸۴-۶۴۹۰ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۰۸۰، ۳۶۱۲۰ میں روایت کی گئی ہے۔

دوسری روایت* بعض اختلافات کے ساتھ نسائی، رقم ۳۶۵۶؛ احمد، رقم ۲۳۸۹۷؛ بیہقی، رقم ۱۲۴۱۸-۱۲۴۱۹؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۴۸۳ اور موطا امام مالک، رقم ۱۴۷۳ میں روایت کی گئی ہے۔

پہلی روایت

بعض روایات، مثلاً بخاری، رقم ۶۳۲۰ میں 'فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: فاقضه عنها' (اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے یہ نذر پوری کردو) کے الفاظ کے بجائے 'فأفتاه أن یقضیه عنها' (نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں والدہ کی طرف سے نذر پوری کرنے کا حکم فرمایا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً بخاری، رقم ۶۳۲۰ میں اس روایت کے آخر میں 'فکانت سنة بعد' (پھر اس واقعے کے بعد یہ سنت بن گئی) کے الفاظ کا اضافہ روایت کیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بعض روایات، مثلاً بخاری، رقم ۲۶۱۰ میں اس روایت کی ایک متبادل روایت مروی ہے۔ وہ درج ذیل الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

روی أن سعد بن عبادة رضی اللّٰه عنه استفتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: إن أمی ماتت وعلیها نذر، فقال: اقضه عنها.

''روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: بے شک، میری والدہ انتقال کر چکی ہیں، جبکہ ان پر ایک نذر ہے (کیا میں اس نذر کے معاملے میں کچھ کر سکتا ہوں)؟ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: یہ نذر ان کی طرف سے پوری کر دو۔''

بعض روایات، مثلاً ابوداؤد، رقم ۳۳۰۷ میں 'وعلیها نذر' (جبکہ ان پر ایک نذر ہے) کے الفاظ کے بعد 'لم تقضه' (جو انھوں نے پوری نہیں کی ہے) کے الفاظ کا اضافہ ہے؛ جبکہ نسائی، رقم ۳۸۱۹ میں یہ الفاظ 'فلم تقضه' (مگر انھوں نے یہ نذر پوری نہیں کی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۳۳ میں 'فقال: اقضه

* علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اگرچہ دوسری روایت کے طریق کو قوی شمار نہیں کیا ہے، تاہم اسی طرح کا مضمون رواۃ کے ایک ثقہ اور قوی طریق سے بھی روایت کیا گیا ہے، اس لیے انھوں نے اس روایت کو ''صحیح سنن النسائی'' (۲/۵۵۸) میں درج کیا ہے۔

عنہا‘ (نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: یہ نذر ان کی طرف سے پوری کر دو) کے الفاظ کے بجائے ان کے متبادل الفاظ ’فأمر بقضائه‘ (نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں یہ نذر پوری کرنے کا حکم فرمایا) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۳۶۶۱ میں یہ روایت درج ذیل الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

روی أن سعد بن عبادة رضی اللّٰه عنه قال: ماتت أمی و علیها نذر، فسألت النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فأمرنی أن أقضیه عنها.

”روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری والدہ وفات پا گئیں، جبکہ ان پر ایک نذر تھی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس نذر کے بارے میں) پوچھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ان کی طرف سے یہ نذر پوری کرنے کا حکم فرمایا۔“

بعض روایات، مثلاً نسائی، رقم ۳۶۶۳ میں ’و علیها نذر‘ (جبکہ ان پر ایک نذر ہے) کے الفاظ کے بعد ’و لم تقضه‘ (جو انھوں نے پوری نہیں کی ہے) کے الفاظ کا اضافہ روایت کیا گیا ہے۔

بعض روایات، مثلاً عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۳۴ میں یہ روایت قدرے مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔ وہ روایت درج ذیل ہے:

روی أنه جاء سعد بن عبادة رضی اللّٰه عنه إلی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فقال: إن أمی کان علیها نذر أفأقضیه؟ قال: نعم، قال: أینفعها ذلك؟ قال: نعم.

”روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: بے شک، (وفات کے بعد) میری ماں پر ایک نذر ہے، کیا میں یہ نذر (ان کی طرف سے) پوری کر دوں؟ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں، (ان کی طرف سے یہ نذر پوری کر دو)، حضرت سعد نے پھر عرض کیا: کیا یہ نذر ان کو فائدہ دے گی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں۔“

دوسری روایت

بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۱۲۴۱۸ میں اس روایت کا ایک اہم اور بامعنی حصہ محذوف ہو گیا ہے۔ وہ روایت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

روی أن سعد بن عبادة رضی اللّٰه عنه قال لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن أمی هلکت فهل ینفعها أن أعتق عنها؟ فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: نعم، أعتق عنها.

''روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: بے شک، میری ماں وفات پا چکی ہیں، اگر میں ان کی طرف سے ایک غلام آزاد کروں تو کیا یہ غلام آزاد کرنا ان کے لیے نفع بخش ہو گا؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ان کی طرف سے ایک غلام آزاد کردو۔''

اس روایت میں راویوں نے وہ حصہ حذف کر دیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی والدہ کے ذمے ایک نذر تھی جسے وہ اپنی حین حیات پوری کرنے سے قاصر رہیں۔ اس حذف نے اصل واقعے کی صورت اور مطلب بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

قرآن مجید کے مطابق آخرت میں جزا و سزا کا بنیادی اصول 'لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی' (انسان کو (آخرت میں) وہی ملے گا جو اس نے (دنیا میں) کمایا ہے) کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات بدیہی طور پر واضح ہے کہ جب کسی شخص نے کبھی بھی کسی عمل خیر اور عمل شر کا ارادہ نہیں کیا، اگر کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے یہ عمل ادا کرے تو وہ اس سے متعلق کسی نوعیت کا بھی اجر نہیں پائے گا۔ چنانچہ مذکورہ روایت کا مطلب، یعنی کسی شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا غلام آزاد کرنا اس کے لیے اجر کا باعث ہو سکتا ہے، یہ قرآن مجید کے بیان کردہ اصول کے صریح خلاف ہے۔

اس کے بعد ایک دوسری روایت میں رواۃ کی جانب سے ایک واضح غلطی کے سبب اس واقعے کا مزید مفہوم تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ روایت بیہقی، رقم ۱۲۴۱۹ میں ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

روی أن سعدًا رضی اللّٰه عنه أتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰه، إن أم سعد کانت تحب الصدقة وتحب العتاقة، فهل لها أجر إن تصدقت أو أعتقت؟

''روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ، (میری ماں) ام سعد صدقہ کرنا اور غلام آزاد کرنا پسند کرتی تھیں، اگر میں (ان کی طرف

قال: نعم.

سے) صدقہ یا غلام آزاد کروں تو کیا ان کے لیے کوئی اجر ہوگا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا: ہاں۔''

اسی واقعے کی بعض دیگر تبدیلیاں ان درج ذیل الفاظ میں روایت کی گئی ہیں:

روى أن سعد بن عبادة رضى الله عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله، إن أمى توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: نعم، قال: فإنى أشهدك أن حائطى المخراف صدقة عليها.

''روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کی عدم موجودگی میں انتقال کر گئیں، (جب ان کو اس کی خبر ملی اور وہ واپس آئے) تو انھوں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے) عرض کیا: یارسول اللہ، میری والدہ میری عدم موجودگی میں وفات پا گئی ہیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انھیں اس کا کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا: ہاں، انھوں نے پھر عرض کیا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا یہ باغ ان کے لیے صدقہ ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ روایت بخاری، رقم ۲۶۰۵، ۲۶۱۱، ۲۶۱۸؛ ابوداؤد، رقم ۲۸۸۲؛ ترمذی، رقم ۶۶۹؛ نسائی، رقم ۳۶۵۰-۳۶۵۵؛ احمد، رقم ۳۵۰۴-۳۵۰۸؛ ابن حبان، رقم ۳۳۵۴؛ بیہقی، رقم ۱۲۴۱۱-۱۲۴۱۲؛ موطا امام مالک، رقم ۱۴۵۰؛ عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۳۷؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۴۷۷، ۶۴۸۱-۶۴۸۲ اور ابن خزیمہ، رقم ۲۵۰۰-۲۵۰۲ میں روایت کی گئی ہے۔

ایک دوسرے مجموعۂ روایات میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

عن سعد بن عبادة رضى الله عنه قال: قلت: يا رسول الله، إن أمى ماتت أفأتصدق عنها؟ قال: نعم. قلت: فأى الصدقة أفضل؟ قال: سقى الماء.

''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، میری ماں وفات پا چکی ہیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پھر عرض کیا: سب سے افضل صدقہ کون سا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

فرمایا: پانی پلانا۔‘‘

یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ نسائی، رقم ۳۶۶۴، ۳۶۶۶؛ احمد، رقم ۲۲۵۱۲، ۲۳۸۹۶؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۴۹۱، ۶۴۹۳ اور ابن خزیمہ، رقم ۲۴۹۶ میں روایت کی گئی ہے۔

معزز صارف

محکمۂ ڈاک 1892ء سے لے کر آج تک اس خطے میں آپ کی خدمت کے لیے کوشاں ہے۔ ماضی میں ہر مشکل وقت میں محکمۂ ڈاک نے عوام الناس کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اُسی جذبے کو برقرار رکھتے ہوئے ہم آپ کی مزید خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ دور میں محکمۂ ڈاک کو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں محکمۂ ڈاک نے آپ کی خدمت کے لیے اپنا دائرۂ کار وسیع کیا ہے۔ اب آپ:

☆ بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل اپنے قریب ترین ڈاک خانہ میں جمع کرا سکتے ہیں۔

☆ اپنے پیاروں کے بیرون ملک سے بھیجے گئے پیسے ویسٹرن یونین کے ذریعے مقرر کردہ ڈاک خانوں سے وصول کیے جا سکتے ہیں۔

☆ رقم کی منتقلی اب برقی اور فیکس منی آرڈر کے ذریعے فوری طور پر ممکن ہے۔

☆ ارجنٹ میل سروس کے ذریعے اپنی ڈاک پورے ملک میں پہنچائیں۔

☆ وی۔ پی۔ پارسل/لیٹر کے ذریعے اپنے کاروبار کو مزید مستحکم کر سکتے ہیں۔

☆ اپنی پوری عمر کی جمع پونجی اور بچت قریب ترین ڈاک خانے میں سیونگ بینک میں جمع کرا سکتے ہیں۔

☆ لاہور میں same day service کا اجراء بھی کر دیا گیا ہے۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ قریب ترین ڈاک خانہ میں تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

شکایات کے ازالے کے لیے مندرجہ ذیل فون نمبرز پر صبح 09:00 بجے سے شام 08:00 بجے تک رابطہ کر سکتے ہیں:

Ph: 042-99210971, 042-99239794
Cell: 0321-6772525, 0335-6161400
Fax: 042-99211323
Email: ccpmgpunjab@yahoo.com

آپ کے تعاون کے لیے شکرگزار

محکمۂ ڈاک

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا

حضرت فکیہہ بنو ازد سے تعلق رکھتی تھیں۔ یسار (یا افلح بن یسار) ان کے والد تھے، شوہر کا نام حطاب (خطاب: ابن سعد) بن حارث تھا جو قریش کی شاخ بنو جمح سے تعلق رکھتے تھے۔ حطاب کے دادا معمر بن حبیب زمانۂ جاہلیت میں اپنے قبیلے میں اہم مرتبہ رکھتے تھے۔ عام الفیل کے بیس برس بعد، ۵۹۰ء میں چوتھی جنگ فجار (یا فجار اکبر) ہوئی تو انھوں نے بنو جمح کی نمایندگی کی۔ اس جنگ میں قریش اور اس کے حامی قبائل کو فتح حاصل ہوئی۔ معمر بن حبیب نے لڑتے ہوئے جان دے دی۔ ابو تجراۃ حضرت فکیہہ کے بھائی تھے۔ حضرت فکیہہ کا شمار 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* میں ہوتا ہے۔ حضرت حطاب بن حارث، ان کے بھائی حضرت حاطب بن حارث، حضرت معمر بن حارث اور حضرت حطاب کی اہلیہ حضرت فکیہہ بنت یسار ایک ساتھ نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف نہ لائے تھے۔ ابن ہشام کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق یہ چاروں سابقین الی الاسلام پینتیسویں، چھتیسویں، سینتیسویں اور اڑتیسویں نمبر پر ایمان لائے۔

حضرت فکیہہ بنت یسار نے حبشہ اور مدینہ، دونوں شہروں کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بعثت نبوی کے تیسرے سال اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ. (الحجر ۱۵: ۹۴) ''(اے نبی)، آپ کو جو حکم نبوت ملا ہے، اسے ہانکے پکارے کہہ دیجیے۔''

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء ۲۶: ۲۱۴) ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے۔''

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی، مکہ میں دین اسلام کا چرچا ہونے لگا اور مشرکوں کو اپنے بتوں کی خدائی خطرے میں نظر آنے لگی تو انھوں نے نومسلم کمزوروں اور غلاموں پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیے۔ نبوت کے پانچویں سال یہ سلسلہ عروج کو پہنچ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشورہ ارشاد کیا: ''تم اللہ کی سرزمین میں بکھر جاؤ۔'' پوچھا: ''یارسول اللہ، ہم کہاں جائیں؟'' آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''وہاں ایسا بادشاہ (King of Axum) حکمران ہے جس کی سلطنت میں ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ امن اور سچائی کی سرزمین ہے، (وہاں اس وقت تک قیام کرنا) جب تک اللہ تمھاری سختیوں سے چھٹکارے کی راہ نہیں نکال دیتا۔'' چنانچہ رجب ۵ ؍نبوی (۶۱۵ء) میں سب سے پہلے سولہ اہل ایمان نصف دینار کرایہ پر کشتی لے کر حبشہ روانہ ہوئے۔ قریش نے مہاجرین کا پیچھا کیا، لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے وہ اپنا سفر شروع کر چکے تھے۔

شوال ۵ ؍نبوی میں قریش کے قبول اسلام کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو ان میں سے کچھ یہ کہہ کر مکہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے کہ ہمارے کنبے ہی ہمیں زیادہ محبوب ہیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اطلاع غلط تھی تو ان میں سے اکثر حبشہ لوٹ گئے۔ حضرت ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ مکہ لوٹنے والوں پر جب ان کی قوم اور خاندان کی طرف سے اذیت رسانی کا سلسلہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بار دگر حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ ان کے ساتھ کئی دیگر مسلمان بھی جانے کو تیار ہو گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ، آپ تو ہمارے ساتھ نہیں چل رہے؟ فرمایا: تمھاری دونوں ہجرتیں اللہ کی طرف اور میری خاطر ہیں۔ اس ہجرت ثانیہ میں اڑتیس مرد، گیارہ عورتیں اور سات غیر قریشی افراد شامل ہوئے۔ حضرت فکیہہ بنت یسار ان میں سے ایک تھیں۔ حضرت فکیہہ کے شوہر حضرت حطاب نے بھی حبشہ کو ہجرت کی۔ ایک روایت کے مطابق وہ راستے ہی میں وفات پا گئے، تاہم حضرت ابن سعد کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال ارض حبشہ میں ہوا۔ حضرت حطاب کے بھائی حضرت حاطب بن حارث، ان کے بھتیجوں حضرت محمد بن حاطب، حضرت حارث بن حاطب، ان کے چچا حضرت سفیان بن معمر، ان کے چچا زاد حضرت جابر بن سفیان، حضرت جنادہ بن سفیان، حضرت حاطب کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت مجلل (یا محلل) نے بھی سفر ہجرت میں شرکت کی۔ ابن جوزی کے مطابق حضرت محمد بن حاطب اس سفر میں موجود نہ تھے، ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی۔

ابن اسحاق اور ان کے تتبع میں ابن ہشام اور ابن کثیر نے ان دونوں ہجرتوں کے مابین ایک تراسی رکنی قافلے کی روانگی کی خبر دی ہے جو حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں حبشہ گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت فکیہہ بنت یسار، ان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے شوہر حضرت حاطب بن حارث، حضرت حاطب کے بھائی حضرت حطاب، حضرت حطاب کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت مجلل، ان کے بیٹے حضرت محمد بن حاطب، حضرت حارث بن حاطب، حضرت حاطب کے چچا حضرت سفیان بن معمر، ان کی اہلیہ حضرت حسنہ اور بیٹے حضرت جابر اور حضرت جنادہ بھی اسی قافلے میں شامل تھے۔ یہ خبر اس روایت سے مؤید ہو جاتی ہے جو حضرت محمد بن حاطب نے خود اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قریش کا ظلم و ستم سہنے والے صحابہ سے) ارشاد فرمایا: ''میں نے کھجوروں بھری ایک سر زمین (حبشہ یا مدینہ) دیکھ رکھی ہے، تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ۔'' چنانچہ (میرے والد) حضرت حاطب اور حضرت جعفر بن ابوطالب ایک کشتی میں سوار ہو کر نجاشی کی جانب نکل گئے۔ حضرت محمد بن حاطب کہتے ہیں: ''میں اسی کشتی میں پیدا ہوا'' (احمد، رقم ۱۸۱۹۴)۔ مزی نے حضرت محمد بن حاطب کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے کشتی میں ان کی پیدایش کا ذکر کرنے کے بجائے لکھا کہ حضرت محمد سر زمین حبشہ میں پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنی والدہ کے علاوہ حضرت جعفر بن ابوطالب کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کا دودھ بھی پی رکھا تھا۔

حضرت فکیہہ بنت یسار ان اکتالیس افراد میں شامل نہ تھیں جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کی خبر سن کر مکہ کی طرف رجوع کیا۔

۶۲۶ء میں ہجرت مدینہ کو سات برس بیت گئے تو حضرت جعفر بن ابوطالب اور باقی مہاجرین نے یہ کہہ کر مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی کہ ہمارے نبی کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے اور ان کے جانی دشمن مارے جا چکے ہیں۔ تب نجاشی نے زاد راہ اور سواریاں دے کر ان کو رخصت کیا (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۴۷۸)۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ بھیجا تاکہ وہ نجاشی کو اسلام کی دعوت دیں، حضرت ام حبیبہ (رملہ) بنت ابوسفیان سے آپ کا نکاح کروائیں اور سر زمین حبشہ میں رہ جانے والے مہاجرین کو واپس لے آئیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ مہاجرین کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ لائے۔ حضرت فکیہہ بنت یسار، حضرت حاطب بن حارث کی بیوہ حضرت فاطمہ، حضرت حاطب کے بیٹے حضرت محمد اور حضرت حارث بھی ان کشتیوں میں بولا (حجاز) کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں سے وہ باقی مہاجرین کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔

مدینہ میں حضرت فکیہہ بنت یسار کی زندگی کے بارے میں ہمیں کوئی روایت نہیں ملتی۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ شوہر کی وفات کے بعد کیا وہ کسی اور کی زوجیت میں آئیں؟ اور ان کا انتقال کب ہوا؟

گمان غالب ہے کہ حضرت فکیہہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔ ان سے کوئی روایت مروی نہیں، ان کی بھتیجیوں برۃ بن ابوتجراۃ اور حبیبہ بنت ابوتجراۃ سے حدیث روایت کی گئی ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب بن حارث بنو جمح سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا کا نام معمر بن حبیب تھا۔ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون ان کی والدہ حضرت قتیلہ بنت مظعون کے بھائی تھے۔ حضرت قتیلہ کے دادا حبیب بن وہب حاطب کے پڑدادا تھے۔ حضرت حاطب نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت مجلل اور حضرت فکیہہ بنت یسار کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی۔ وہ حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں جانے والے قافلے میں شامل تھے۔ حضرت حاطب نے سرزمین حبشہ میں وفات پائی۔ ان کی بیوہ حضرت فاطمہ اور بیٹے حضرت محمد اور حضرت حارث ۷ھ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ سمندری راستے سے مدینہ لوٹے۔ حضرت فکیہہ بنت یسار بھی اسی کشتی میں سوار تھیں۔ ام ولد جہیرہ سے ان کے بیٹے عبداللہ نے جنم لیا۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت معمر بن حارث حضرت فکیہہ بنت یسار کے شوہر حضرت حطاب کے سگے بھائی تھے، حضرت قتیلہ بنت مظعون دونوں کی والدہ تھیں۔

بطحائے مکہ میں آفتاب اسلام طلوع ہوا تو حضرت معمر بن حارث دین حق کی طرف پہلے پہل لپکنے والے 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' میں شامل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے ایمان کی سعادت حاصل کی۔ حبشہ اور مدینہ، دونوں شہروں کی طرف ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ ہجرت ثانیہ کے بعد مواخات کا موقع آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عفرا کو ان کا انصاری بھائی قرار دیا۔ حضرت معمر نے لمبی عمر پائی، اس لیے بدر واحد اور تمام غزوات میں شرکت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے باقی زندگی کے واقعات کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔

حضرت معمر کا انتقال عہد فاروقی میں ہوا۔ ان کے پسر حضرت جمیل بن معمر نے شہرت پائی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

مولانا امین احسن اصلاحی

خلافت کے لیے قرشیت کی شرط

...اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے جس کی بنیاد اصول وعقائد پر ہے نہ کہ نسل،نسب یا خاندان پر۔تمام مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہیں، اس ریاست میں بالکل مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ان کے درمیان کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر یہ کہ ایک شخص دین اور تقویٰ، تفقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے دوسرے پر فضیلت رکھتا ہو۔ریاست کے اولوالامر یا ارباب حل وعقد کو ریاست میں جو سربراہی کا مقام حاصل ہوتا ہے، وہ بھی...ان کے علم وتقویٰ ہی کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، نہ کہ کسی خاندان یا نسب سے تعلق رکھنے کی بنا پر۔

یہ حقیقت قرآن وحدیث میں اتنی وضاحت سے بیان ہوئی ہے کہ اس پر دلائل نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایک حدیث کی بنا پر جس میں فرمایا گیا ہے کہ 'الأئمة من قریش'* (خلفا قریش میں سے ہوں گے)، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ کے لیے قرشی ہونا شرط ہے،کوئی غیر قرشی خلافت کے منصب پر سرفراز ہونے کا حق دار نہیں ہے۔

اگر اس حدیث کا یہی مطلب لیا جائے جو عام طور پر لیا گیا ہے تو اس سے نہ صرف اسلامی نظام حکومت کی وہ بنیاد ہی ڈھے جاتی ہے جو اوپر ہم نے بیان کی ہے، بلکہ اس سے ان معترضین کے اعتراضات کو بھی بڑی قوت حاصل ہو جاتی ہے جنھوں نے اسلام نظام حکومت پر مخالفانہ تنقیدیں کی ہیں۔مطلب کی وضاحت کے لیے ہم ان اعتراضات میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

---

* المستدرک علی الصحیحین، رقم ۶۹۶۲۔

مثلاً: اس پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اسلام میں مساوات کا جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں نسل ونسب کی بنا پر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہے، یہ دعویٰ غلط ہے، اس لیے کہ جب خلیفہ ہونے کے لیے قرشی ہونا لازم شرط ہے، یہاں تک کہ اس کے حق میں مسلمانوں کا اجماع بیان کیا جاتا ہے، تو پھر مساوات کہاں باقی رہی؟ قریش کو مسلمانوں کی سوسائٹی میں وہی برتری حاصل ہوگی جو یہود میں بنی لاوی کو حاصل تھی یا ہندوؤں میں برہمنوں کو۔ جس طرح ہندوؤں میں ان کے مذہبی قانون کی رو سے کوئی ویش یا شودر حکمرانی کا منصب حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح کی بات یہ ہوئی کہ کوئی غیر قرشی مسلمانوں کا حکمران نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اعتراض اس کی بنیاد پر یہ کیا گیا ہے کہ نعوذ باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیان کردہ اصولوں پر اسلام کے اجتماعی وسیاسی نظام کو قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ زندگی بھر تو انھوں نے مساوات کی تعلیم دی اور نسلی وخاندانی برتری کے دعاوی کی بیخ کنی کی، لیکن وفات کے وقت نعوذ باللہ اپنی قائم کردہ حکومت اپنے خاندان کو سپرد کر کے چلے گئے۔

اس حدیث کی آڑ لے کر تحریک خلافت کے زمانے میں انگریز مستشرقین اور مدبرین نے تحریک کو دبانے اور اپنا سیاسی مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ اشغلا چھوڑا تھا کہ مسلمان خواہ مخواہ کے لیے ترکوں کی خلافت کے حق میں آسمان و زمین ایک کیے ہوئے ہیں، ان کے پیغمبر کی تعلیم کی رو سے کوئی غیر قرشی تو خلیفہ ہو ہی نہیں سکتا تو ترکوں کی خلافت کہاں سے دین وشریعت بن گئی؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس زمانے میں اسی حدیث کا سہارا لے کر بعض ذہین لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت دین کے اصولوں میں ترمیم وتنسیخ ہو سکتی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگرچہ مساوات کی تعلیم اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، قرآن نے بھی اس کی تعلیم دی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زندگانی بھر اس کا وعظ فرمایا، لیکن حکمت عملی کا تقاضا چونکہ یہی ہوا کہ خلافت قریش ہی کے ہاتھ میں رہے، اس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت یہ وصیت فرما گئے کہ خلفا قریش میں سے ہوں گے۔

حدیث 'الأئمة من قريش' کا محل

یہ اور اس قسم کے دوسرے اعتراضات وشبہات جو اسلام کے نظام اجتماعی وسیاسی پر کیے گئے ہیں، وہ تمام تر نتیجہ ہیں اس بات کا کہ لوگوں نے اس حدیث کو اس کے موقع ومحل سے ہٹا کر اس کو امر یا خبر یا وصیت کے مفہوم میں لیا،

حالاں کہ یہ نہ تو امر ہے نہ خبر نہ وصیت، بلکہ یہ ایک قضیہ اور ایک نزاع کا فیصلہ ہے۔ یہ قضیہ کی شکل میں حضور کے سامنے پیش نہیں ہوا تھا، لیکن یہ ذہنوں میں موجود تھا اور اس کے اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ حضور کے لیے یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ قضیہ ایک نزاع کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اس سے امت میں انتشار پیدا ہو سکتا ہے، اس وجہ سے آپ نے اپنی زندگی ہی میں فیصلہ فرما دیا کہ آپ کے بعد خلافت کے حق دار قریش ہیں۔

اس نزاع میں ایک طرف قریش تھے اور دوسری طرف انصار۔ حضور کے زمانہ میں مسلمانوں میں یہی دو گروہ قابل ذکر اور سیاسی زور و اثر رکھنے والے تھے۔ ہر چند اسلام نے ان کو جاہلی تعصّبات سے پاک کر دیا تھا، لیکن قبائلی حمیت کے فطری اور جائز رجحانات ان دونوں کے اندر زندہ تھے۔ حضور کی حیات مبارک میں تو اس امر کا کوئی اندیشہ نہ تھا کہ بات اپنے حدود سے بڑھ کر کسی بگاڑ کی شکل اختیار کرے گی، لیکن حضور کے بعد اس قسم کا اندیشہ بے محل نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ ان کے درمیان حصول اقتدار کی کش مکش کا اندیشہ اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا اندیشہ اس بات کا تھا کہ خدمت دین میں مقابلہ کا جذبہ جو ان دونوں کے اندر موجود ہے، مبادا وہی ان کو کسی کش مکش میں مبتلا کر دے، اس وجہ سے حضور نے مناسب خیال فرمایا کہ اپنی زندگی ہی میں اس نزاع کا فیصلہ فرما دیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ نزاع چونکہ امامت عامہ کے لیے تھی، صرف کسی مسجد کی امامت کے لیے نہ تھی، اس وجہ سے ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح اگر حاصل ہو سکتی تھی تو وہ دو ہی چیزوں کی بنا پر حاصل ہو سکتی تھی: ایک دین اور اس کی خدمات۔ دوسری سیاسی زور و اثر۔ جہاں تک دین اور دینی خدمات کا تعلق ہے، یہ دونوں کچھ برابر سے تھے۔ کچھ پہلو اگر قریش (بالفاظ دیگر مہاجرین) کے نمایاں تھے تو چند پہلو انصار کے بھی بہت روشن تھے۔ چنانچہ قرآن نے ان دونوں کی دینی خدمات کا جہاں جہاں ذکر کیا ہے، کچھ اس طرح کے ہم وزن الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ دونوں مساوی الوزن معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دونوں کی دینی خدمات کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ کسی کا پلڑا ابھی جھکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس وجہ سے اس پہلو سے تو ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لیے کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

لیکن دوسرے پہلو، یعنی زور و اثر کے لحاظ سے قریش کو انصار پر نمایاں فوقیت حاصل تھی۔ سیاسی زور و اثر تنہا تو اسلام میں کوئی وقعت رکھنے والی چیز نہیں ہے، لیکن دین کے ساتھ مل کر یہ چیز ایک وجۂ ترجیح بن جاتی ہے۔ امامت عامہ، یعنی خلافت و امامت جس طرح دین کو چاہتی ہے، اسی طرح سیاسی زور و اثر کو بھی یہ چاہتی ہے۔ قریش کو چونکہ

جاہلیت میں بھی دینی پیشوائی اور سیاسی قیادت کا منصب حاصل رہا تھا، اس وجہ سے اسلام لانے کے بعد یہ چیز اسلام میں بھی ان کو حاصل ہو گئی۔ اہل عرب کے لیے ان کی اطاعت کوئی اوپری اور انوکھی چیز نہیں تھی، بلکہ ایک جانی پہچانی ہوئی چیز تھی۔ وہ جن کی اطاعت جاہلیت میں کرتے رہے تھے، بڑی آسانی کے ساتھ، بغیر کسی کراہت کے، ان کی اطاعت اسلام میں بھی کر سکتے تھے، بشرطیکہ دین مانع نہ ہو۔ سو الحمد للہ اس قسم کا کوئی مانع باقی نہیں رہا تھا، بلکہ قریش نے اسلام کی خدمت میں بھی ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا، اس وجہ سے وہ دونوں چیزیں ان کے اندر جمع ہو گئی تھیں جو اسلام میں منصب خلافت و امارت کے لیے استحقاق پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور نے 'الأئمة من قريش' فرما کر انصار کے مقابل میں قریش کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور اس فیصلہ نے اس نزاع کے ختم کرنے میں بڑا کام دیا جو حضور کی وفات کے معاً بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار اور مہاجرین کے درمیان اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضور نے یہ فیصلہ قریش کے حق میں ان کی قرشیت کی بنا پر دیا۔ اگر اس وقت کوئی تیسری جماعت میدان میں موجود ہوتی اور وہ اپنی دینی خدمات اور سیاسی قوت و دبدبہ کے لحاظ سے مذکورہ دونوں جماعتوں پر فوقیت رکھنے والی ہوتی تو حضور یہی فیصلہ اس کے حق میں بھی دے سکتے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

چند شبہات اور ان کے جواب

اگرچہ حدیث کا جو محل ہم نے بتایا ہے، وہ بالکل واضح ہے، لیکن ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہوں مثلاً:

ایک یہ کہ کسی معاملہ میں ایک حکم دینے اور کسی قضیہ کا فیصلہ دینے میں آخر وہ کیا باریک فرق ہے جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ امر نہ تھا، بلکہ ایک قضیے کا فیصلہ تھا۔ پھر یہ بات بھی محتاج وضاحت ہے کہ حضور نے خواہ انصار پر قریش کے حق خلافت کو ترجیح دی ہو یا تمام عجم و عرب پر، اس سے نفس مسئلہ زیر بحث پر آخر کیا اثر پڑتا ہے؟

دوسرا یہ کہ تاریخ میں اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ حضور کے حین حیات انصار اور مہاجرین کے درمیان خلافت کے متعلق کوئی قضیہ پایا جاتا تھا۔

تیسرا یہ کہ آخر کسی شخص کو یہ علم کس طرح ہو گیا کہ حضور نے قریش کے بارے میں جو کچھ فرمایا، اس سے مقصود دراصل اسی قضیہ کا فیصلہ تھا۔ کیا حضور نے خود اس کی صراحت فرمائی تھی یا آپ کے کلام اور اس کے متعلقات میں کوئی قرینہ ایسا پایا جاتا ہے جس سے یہ منشا مترشح ہوتا ہو؟

چوتھا یہ کہ فلاں اور فلاں علما نے اس عمل پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی غیر قرشی مسلمانوں کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ یہ تمام شبہات بالکل سرسری و سطحی ہیں، لیکن ممکن ہے کہ ان سے کسی شخص کے ذہن میں کوئی الجھن پیدا ہو، اس وجہ سے بالاجمال ہم ان کو بھی صاف کیے دیتے ہیں۔

جہاں تک پہلے شبہ کا تعلق ہے، اس کے باب میں گزارش ہے کہ کوئی مستقل حکم دینے اور کسی قضیہ کا وقتی فیصلہ کرنے میں فی الواقع فرق ہے اور وہ فرق ذرا باریک ہے، اس وجہ سے اس کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے اور سمجھانے کی بھی۔ وہ فرق یہ ہے کہ کسی نزاع کا جو فیصلہ ہوا کرتا ہے، اس کا تعلق صرف متعلق پارٹیوں سے ہوا کرتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آیا کرتا کہ اگر اسی حق کے لیے کوئی تیسرا فریق اس سے بہتر وجوہ استحقاق کے ساتھ سامنے آئے جو وجوہ ایک فریق کی دوسری پر ترجیح کا باعث ہوئے ہیں جب بھی اس کو ترجیح حاصل رہے گی۔ اگر حضور کا یہ ارشاد کہ خلفا قریش میں سے ہوں، ایک مستقل حکم ہے تب تو صحیح بات یہی ہے کہ کسی اسلامی حکومت کا جائز حکمران کوئی غیر قرشی ہرگز نہیں ہو سکتا، پھر تو ہر اسلامی حکومت میں خلافت کے منصب کے لیے کسی قرشی کا تلاش کرنا ضروری ہوگا۔ اگر اس حکومت میں کوئی قرشی موجود نہیں ہوگا تو باہر سے، اگر کسی ملک میں موجود ہوگا، کوئی قرشی مہیا کرنا پڑے گا۔ اور اگر یہ ایک قضیہ کا فیصلہ ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ خلافت کے معاملہ میں انصار کے بالمقابل قریش کو ترجیح حاصل تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ قریش کو یہ ترجیح دنیا کے ہر گروہ کے مقابل میں ہمیشہ کے لیے حاصل ہے، خواہ وہ وجوہ ترجیح کے لحاظ سے ان سے زیادہ حق دار ہو۔

نفس مسئلہ زیر بحث پر اس کا اثر یہ پڑے گا کہ ترجیح کا پہلو معین ہو کر سامنے آ جائے گا، وہ اس طرح کہ یہ دیکھا جائے گا کہ نزاع کس امر میں تھی اور کن وجوہ کی بنیاد پر تھی اور فیصلہ کس کے حق میں ہوا، اگر قضیہ کی روداد سے یہ ثابت ہوگا کہ انصار اور مہاجرین میں اختلاف خلافت کے لیے تھا اور بنائے اختلاف نسب و حسب تھا اور پھر یہ معلوم ہوگا کہ حضور نے فیصلہ قریش کے حق میں دیا تو اس کے صاف معنی ہوں گے کہ خلافت کے معاملہ میں اصلی فیصلہ کن عامل درحقیقت حسب و نسب ہے اور اس اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بموجب قریش کو انصار پر ترجیح حاصل ہے۔ اور اگر معاملہ کی روداد سے یہ واضح ہوگا کہ اختلاف خلافت کے لیے تھا اور بنائے اختلاف یہ چیز تھی کہ انصار اپنی دینی و اسلامی خدمات اور اپنی سیاسی قوت و شوکت کے اعتبار سے اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتے تھے اور قریش اپنی دینی و اسلامی خدمات اور اپنی سیاسی جمعیت و عصبیت کی بنا پر اپنے آپ کو اس کا حق دار خیال کرتے تھے اور حضور نے فیصلہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قریش کے حق میں دیا تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں خلافت و امارت کا استحقاق اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جس کو اپنی دینی و اسلامی خدمات اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے اعتبار سے ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔ اس چیز میں حسب ونسب اور خاندانوں کے امتیازات کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اب ہر شخص خود غور کر کے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ حضور کے ارشاد کو ایک مستقل امر و حکم ماننے اور ایک نزاع یا قضیہ کا فیصلہ ماننے میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے یا نہیں واقع ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کے جواب میں کئی گزارشیں ہیں:

پہلی گزارش یہ ہے کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان کسی قضیہ کے موجود ہونے کے لیے یہی لازم نہیں ہے کہ یہ قضیہ براہ راست خلافت کے لیے ہی ہو۔ خلافت کا سوال تو ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اٹھ سکتا ہے۔ قضیہ کے موجود ہونے کے لیے تنہا یہ چیز کافی ہے کہ انصار زور واثر اور خدمت دین میں اپنے آپ کو قریش کے ہم رتبہ خیال کرتے رہے ہوں اور اس خیال کے سبب سے ان کے اندر فی الجملہ مسابقت اور مقابلہ کی اسپرٹ پائی جاتی رہی ہو۔ سو یہ واقعہ ہے کہ انصار کم از کم اپنے مرکز، یعنی مدینہ میں اپنے آپ کو بڑی طاقت سمجھتے تھے اور ان کا یہ سمجھنا بے جا نہیں تھا۔ پھر اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے انھوں نے جو خدمات انجام دی تھیں، ان کی بنا پر وہ ہر میدان میں اپنے آپ کو مہاجرین کا مد مقابل سمجھتے تھے۔ ان کا یہ احساس اس قدر نمایاں تھا کہ جو شخص اس عہد کی تاریخ پر نگاہ رکھتا ہے، وہ اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے لیڈر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر ملاحظہ فرمائیے:

یا معشر الأنصار، إن لکم سابقة فی الدین و فضیلة فی الإسلام لیست بقبیلة من العرب. إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لبث فی قومہ بضع عشرة سنة یدعوھم إلی عبادة الرحمٰن و خلع الأوثان فما آمن بہ من قومہ إلا قلیل و اللّٰہ ما کانوا یقدرون أن یمنعوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم و لا یعرفوا دینہ و لا یدفعوا عن أنفسھم حتی أراد اللّٰہ تعالٰی بکم الفضیلة و ساق

''اے گروہ انصار، خدمت اسلام میں جو فضیلت و اولیت تم کو حاصل ہے، عرب کے کسی قبیلہ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو برسوں خدائے واحد کی پرستش اور شرک سے باز آنے کی دعوت دیتے رہے، لیکن آپ کی قوم میں سے صرف تھوڑے ہی سے لوگ ایمان لائے۔ ان تھوڑے سے لوگوں کا بھی حال یہ تھا کہ خدا کی قسم، یہ لوگ نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر سکتے تھے، نہ آپ کے دین کی تبلیغ کر سکتے تھے اور نہ خود اپنی ہی جانوں

إليكم الكرامة و خصكم بالنعمة ورزقكم الإيمان به وبرسوله صلى اللّٰه عليه وسلم والمنع له ولأصحابه والإعزاز لدينه والجهاد لأعدائه فكنتم أشد الناس على من تخلف عنه منكم وأثقله على عدوكم من غيركم حتى استقاموا لأمر اللّٰه تعالٰى طوعًا و كرهًا وأعطى البعيد المقادة صاغرًا داحرًا حتٰى أثخن اللّٰه تعالٰى لنبيه بكم الأرض و دانت بأسيافكم له العرب وتوفاه اللّٰه تعالٰى وهو راض عنكم قرير العين فشدوا أيديكم بهذا الأمر فإنكم أحق الناس وأولاهم به فأجابوه جميعًا أن قد وفقت في الرأى وأصبت في القول. (الامامۃ والسیاسۃ ۱/۹)

کی حفاظت کر سکتے تھے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس شرف سے نوازا اور اس نعمت سے سرفراز کیا اور تمھیں اس بات کی توفیق حاصل ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کرو اور دین کو سربلند کرو اور دشمنان دین سے جہاد کرو۔ اس کے بعد دین سے منحرف رہنے والوں پر سب سے زیادہ سخت تم رہے ہو، عام اس سے کہ یہ تمھارے اندر کے لوگوں میں سے تھے یا باہر کے لوگوں میں سے، یہاں تک کہ خدا کے حکم کے آگے طوعاً یا کرہاً سب کو جھک جانا پڑا۔ دور والوں کو بھی اطاعت کرنی پڑی۔ اللہ نے تمھارے ذریعہ سے اپنے نبی کے لیے زمین کو مفتوح کر دیا اور تمھاری تلواروں کے ذریعہ سے عرب کو مطیع بنا دیا۔ رسول اللہ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ تم سے خوش تھے، اس وجہ سے اس خلافت کے سب سے زیادہ حق دار تم ہو۔ اس کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑو۔ تمام انصار نے سعد کی اس رائے سے اتفاق کیا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا کوئی شخص یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ انصار کے اندر یہ احساسات بالکل وقت کے وقت ابھر آئے تھے۔ پہلے سے ان کا کوئی نام ونشان موجود نہیں تھا اور اگر یہ احساسات موجود تھے تو کیا ان کی موجودگی اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ حضور اس بارے میں کوئی ایسی رہنمائی دے کے جاتے جو اس نزاع کے حل کرنے میں مددگار ہو سکتی!

انصار کے اسی احساس سے کبھی کبھی منافقین غلط فائدے بھی اٹھا لیتے تھے۔ چنانچہ تاریخوں سے صاف پتا چلتا ہے کہ بعض جذبات انگیز مواقع پر منافقین نے انصار اور مہاجرین کے جذبات ایک دوسرے کے خلاف اس طرح بھڑکا دیے ہیں کہ دونوں پارٹیوں کے لوگوں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں تک سونت لی ہیں اور حالات اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ ان پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہے۔ مثلاً وہ واقعہ جو غزوۂ مریسیع کے موقع پر پیش آیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ بھی کوئی اتفاقیہ طور پر نہیں پیش آ گیا تھا، بلکہ اس کے لیے بھی ایک سے زیادہ اسباب و محرکات پہلے سے موجود تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس فتنہ کے بھڑکانے میں بھی زیادہ ہاتھ منافقین ہی کا تھا، لیکن جب تک بھڑکنے کے لیے کچھ مادہ موجود نہ ہو، اس وقت تک مجرد کسی کی دیا سلائی کیا کام کر سکتی ہے؟ ان تمام حالات کا سب سے زیادہ اندازہ اگر کسی کو ہو سکتا تھا تو وہ حضور ہی کو ہو سکتا تھا اور حضور ہی سب سے زیادہ بہتر طریقہ پر ان خطرات کا سد باب بھی فرما سکتے تھے جن کے اس صورت حال سے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے یہ بات بالکل معقول اور قرین قیاس ہے کہ حضور نے اپنی حیات مبارک ہی میں اس قضیہ کی موجودگی کو محسوس فرما لیا اور اس کے بارے میں ایک ایسا فیصلہ دے دیا جس سے اس فتنہ کو دبانے میں بڑی مدد ملی جو حضور کی وفات کے معاً بعد منافقین نے اٹھا دیا تھا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ خیال کرنا کچھ صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اندر حضور کی حیات مبارک میں نہ آپ کی وفات کا کوئی تصور پایا جاتا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کی خلافت کا۔ اس طرح کا خیال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور اس عہد کے مسلمانوں کی ذہانت سے متعلق انتہائی بدگمانی کے مترادف ہے۔ اگر حضور اس طرح کے معاملات میں امت کو اندھیرے میں چھوڑ گئے ہوتے تو لوگ پہلے ہی روز سے نہ معلوم کیا کیا فتنے اٹھا دیتے اور وہ بات بالکل غلط ہو کے رہ جاتی جو اس ملت کے بارے میں فرمائی گئی ہے کہ اس کی شب بھی اس کے دن کے مانند روشن ہے۔ اس زمانہ کے ہر مسلمان کو پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم تھی کہ حضور ایک دن وفات پانے والے ہیں اور آپ کی وفات کے بعد اس امت میں خلافت قائم ہونے والی ہے جس کے اصول یہ ہوں گے، جس پر دور فلاں فلاں قسم کے آئیں گے، جس کا آغاز اس قسم کا ہوگا، جس کے وسط کی یہ خصوصیات ہوں گی اور اس کے دور آخر میں یہ فتنے نمودار ہوں گے۔ یہ ساری باتیں نہایت تفصیل کے ساتھ احادیث میں موجود ہیں۔ آخر یہ ساری حدیثیں صحابہ ہی کے ذریعہ سے لوگوں کو پہنچی ہیں۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر وہ ایک ایسے معاملہ پر غور کیوں نہیں کرتے رہے ہوں گے جس کا تعلق براہ راست خود ان کی اپنی زندگیوں سے تھا اور جس پر غور کرنا اور جس کے بارے میں رائے قائم کرنا اسلام میں کوئی گناہ کا کام بھی نہیں تھا۔ اگر غیر ضروری طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم یہاں وہ ساری حدیثیں نقل کر دیتے جو اس باب خاص میں وارد ہیں اور وہ شبہات بھی بیان کر دیتے جو مستقبل سے متعلق انصار کے ایک طبقہ کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے۔

تیسرے اعتراض کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ جہاں تک حدیث 'الأئمة من قريش' کا تعلق ہے، اس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کے الفاظ تو واضح طور پر نہ یہ بتاتے کہ یہ امر ہے، نہ یہ بتاتے کہ یہ خبر ہے، نہ یہ بتاتے کہ یہ کسی قضیہ کا فیصلہ ہے اور نہ ہی یہ بتاتے کہ یہ حکمت عملی کے تحت اسلام کے اصول مساوات کو توڑ کر قریش کو بر بنائے نسب تمام عرب وعجم پر ترجیح دینے کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ مجرد اس حدیث کے الفاظ ان مفہوموں میں سے کسی مفہوم کو بھی قطعی طور پر متعین کرنے والے نہیں ہیں، اس وجہ سے اہل فن کے عام طریقہ کے مطابق اس حدیث کی تاویل کی جائے گی۔

تاویل کے معاملہ میں اہل تاویل کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ کسی آیت یا حدیث کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ اسلام کے دوسرے واضح اور قطعی احکام سے کسی تصادم کے بغیر اس کا مدعا متعین ہو جائے اور قرائن وحالات سے اس مدعا کی تائید وتصدیق ہو جائے۔

اب آیئے دیکھیے کہ ہم نے جو اس حدیث کو انصار وقریش کے مابین ایک قضیہ کے فیصلہ کے مفہوم میں لیا ہے اور نسب وخاندان کے بجائے قریش کی دینی خدمات اور پورے عرب پر ان کی دھاک کو انصار کے مقابل میں ان کی ترجیح کا سبب قرار دیا ہے تو اس کے وجوہ کیا ہیں؟

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان، جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، مسابقت اور مقابلہ کی ایک اسپرٹ موجود تھی جس سے منافقین کبھی کبھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے، اس وجہ سے یہ اندیشہ بعید نہیں تھا کہ اس اسپرٹ سے منافقین حضور کی وفات کے بعد خلافت کے معاملہ میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ یہ اندیشہ مقتضی ہوا کہ حضور اس بارے میں کوئی واضح فیصلہ دے دیں تاکہ اگر کوئی فتنہ سر اٹھائے تو اس کا موثر طریقہ پر مداوا ہو سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مقابلہ کا اگر کوئی اندیشہ ہو سکتا تھا تو صرف انصار ہی کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس زمانہ میں پورے عرب میں انصار کے سوا کوئی جماعت ایسی نہیں تھی جو اپنی اسلامی خدمات اور اپنی سیاسی جمعیت کے لحاظ سے یہ درجہ رکھتی ہو کہ قریش کی ہم سری کا حوصلہ کر سکے۔ اس وجہ سے دوسرے نہ اس قضیہ میں کوئی پارٹی بننے کا دم داعیہ ہی رکھتے تھے اور نہ ان سے اس فیصلہ کے تعلق کی کوئی اور وجہ موجود تھی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلام میں کوئی گروہ اپنی مذہبی خدمات اور اکثریت کے اعتماد کے حامل ہونے کی بنا پر تو یہ حق رکھتا ہے کہ حکومت وخلافت کے معاملہ میں اس کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہو، لیکن کسی خاص قبیلہ یا برادری سے ہونے کی بنا پر اسلام میں کسی کو کسی پر ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں بھی کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ''اے لوگو، ہم نے تم کو جو خاندانوں اور گروہوں

وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ. (الحجرات ۴۹: ۱۳)

میں تقسیم کیا ہے تو یہ محض اس لیے کہ یہ چیز تمھارے لیے شناخت اور تعارف کا ذریعہ بنے۔ اللہ کے نزدیک عزت والا تم میں سے وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔‘‘

اسی طرح حدیث میں وارد ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر دین اور تقویٰ کے پہلو سے۔ قرآن اور حدیث کے ان نصوص کے ہوتے ہوئے ’الأئمة من قريش‘ کے یہ معنی لینے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ اس ترجیح میں کوئی دخل قریش کی قرشیت کو بھی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق بات یہی ہو سکتی ہے کہ حضور نے ان کو یہ ترجیح ان کی دینی خدمات اور ان کے اس عام اعتماد و رسوخ کی بنا پر دی ہو جو پورے عرب میں ان کو اس وقت حاصل تھا، یہاں تک کہ انصار بھی اس چیز میں ان کے مدمقابل نہیں ہو سکتے تھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضور کے ان الفاظ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس ترجیح کا سوال درحقیقت انصار کے مقابل ہی میں پیدا ہوا تھا اور وجۂ ترجیح قریش کی نسبی برتری نہیں تھی، بلکہ ان کا وہ رسوخ و اعتماد تھا جو پورے عرب میں ان کو حاصل تھا۔ چند روایات ملاحظہ ہوں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انصار کے لیڈر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قائل کرنے کے لیے فرماتے ہیں:

لقد علمت يا سعد أن رسول اللّٰه قال و أنت قاعد: قريش ولاة هذا الأمر خير الناس تبع لبرهم و فاجرهم تبع لفاجرهم، فقال سعد: صدقت.

’’اے سعد، تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے تمھارے سامنے یہ بات فرمائی تھی کہ اس خلافت کے حامل قریش کو ہونا چاہیے، کیونکہ عرب کے اخیار ان کے اخیار کے پیرو رہے ہیں اور ان کے اشرار ان کے اشرار کے، تو حضرت سعد نے کہا: آپ نے ٹھیک کہا۔‘‘

انھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

ولم تعرف العرب هذا الأمر إلا لهذا الحي من قريش.

’’اہل عرب قریش کے سوا اور کسی کی قیادت سے آشنا نہیں ہیں۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن رسول اللّٰه الناس تبع لقريش صالحهم تبع لصالحهم و شرارهم تبع لشرارهم.

’’رسول اللہ سے روایت ہے کہ اہل عرب قریش کے تابع ہیں، ان کے نیک ان کے نیکوں کے اور ان کے

بدان کے بدوں کے۔‘‘

بعینہٖ یہی مضمون مختلف روایات میں مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے۔ اس بیان کا موقع و محل اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اگر کسی جماعت کے اندر یہ خیال پایا جاتا ہو کہ آں حضور کے بعد خلافت کی ذمہ داریوں کی حامل وہ بھی ہو سکتی ہے تو اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس بوجھ کے اٹھانے کے اس وقت صحیح اہل صرف قریش ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اہل عرب کا اعتماد انھی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ غور کیجیے کہ اس زمانہ میں اس کلام کا اصلی مخاطب انصار کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟ اور پھر اس امر پر غور کیجیے کہ قریش کی ترجیح کی جو وجہ بیان کی گئی ہے، اس میں ان کے نسب اور برادری کا حوالہ ہے یا اس بات کا حوالہ ہے کہ جس طرح ان کو جاہلیت میں اہل عرب کا اعتماد حاصل رہا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی ان کو اہل عرب کا اعتماد حاصل ہے، اس وجہ سے خلافت کے حق دار وہی ہیں۔ جس طرح جمہوری نظاموں میں ملک کی اکثریت کا اعتماد رکھنے والی پارٹی کو حکومت بنانے کا حق دار سمجھا جاتا ہے، اسی طرح قریش کو ان کی دینی خدمات اور ان کے عام معتمد علیہ ہونے کی بنا پر حامل خلافت ہونے کا حق دار قرار دیا گیا۔

چوتھے اعتراض، یعنی خلافت کے لیے قرشیت کی شرط پر اجماع کا جو ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ اس اجماع سے مراد اگر وہی اجماع ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں بموجودگی تمام اکابر مہاجرین وانصار ہوا ہے تو اس اجماع کا پتا تمام دنیا جہان کو ہے۔ ہم کو نہ اس کے وقوع سے انکار ہے اور نہ اس کی صحت سے۔ لیکن اگر اس اجماع سے کوئی اور اجماع مراد ہے تو اس کا پتا صرف امام نسفی اور شہرستانی صاحب کو ہوگا۔ ان کے سوا کسی اور کو اس اجماع کا پتا نہیں ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجماع کے متعلق ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ راے رکھتے ہیں کہ یہ اجماع اسلام کے کسی اصول کے خلاف نہیں ہوا ہے، بلکہ ٹھیک ٹھیک اسلام کے اصولوں کے مطابق ہوا ہے اور یہ خصوصیت صرف اسی اجماع کی نہیں ہے کہ یہ اسلام کے کسی اصول کے خلاف نہیں ہوا ہے، بلکہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک اجماع بھی ایسا نہیں ہے جو اسلام کے کسی اصول کو توڑ کر وجود میں آیا ہو، بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ اس اجماع کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو۔ اگر کوئی اجماع اسلام کے کسی اصول کے خلاف ہو تو وہ اجماع، اسلام کے شرائط واجماع کی رو سے، اجماع ہی نہیں ہے، وہ اجماع باطل ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو اجماع ہوا ہے، وہ اس بات پر نہیں ہوا کہ خلافت کے معاملہ میں قریش کو ان کی قرشیت کی بنا پر ترجیح حاصل ہے، بلکہ، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، یہ اجماع اس بات پر ہوا ہے کہ قریش کی دینی خدمات، ان کی سیاسی حیثیت اور ان کے اثر واقتدار کی بنا پر ان کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔ اگر قریش کو یہ چیزیں حاصل نہ ہوتیں،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بلکہ وہ ان اعتبارات سے دوسروں کے مقابل میں فروتر ہوتے تو یہ اجماع ہرگز ان کے حق میں نہ ہوتا، حالاں کہ باعتبار نسبت وہ ان چیزوں کے بغیر بھی قریش ہی رہتے، غیر قریش نہ بن جاتے۔ اگر اس معاملہ میں قریش کی قرشیت اصل چیز ہوتی تو قریش کے لیڈروں کا سقیفہ بنی ساعدہ میں بنیادی نقطۂ بحث یہ ہوتا کہ اسلام میں خلیفہ بننے کے لیے قرشی ہونا شرط ہے اور ان کی طرف سے صرف اسی ایک نقطہ کو ثابت کر دینے کے بعد ساری بحث ختم ہو جاتی۔ لیکن آپ انصار اور مہاجرین، دونوں کے لیڈروں کی تقریریں ابن قتیبہ کی ''الامامة والسیاسة'' یا تاریخ کی کسی کتاب میں پڑھیے تو صاف نظر آتا ہے کہ دونوں کے سامنے وجوہ ترجیح کی فہرست میں وہی چیزیں ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اگر فی الواقع اسلام میں نسب اور برادری کے سوال کو یہ اہمیت ہوتی جو بتائی جا رہی ہے تو پھر خلافت کے اصلی حق دار بنی ہاشم تھے، اس لیے کہ نسب کے شرف کے معاملہ میں ان کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اصلی سوال زور و اثر اور عوامی اعتماد کا تھا اور یہ چیز قریش کو بحیثیت مجموعی، بحیثیت ایک سیاسی تنظیم کے تو حاصل تھی، لیکن ان کی شاخوں میں سے کسی کو یا ان کے افراد کو ان کی انفرادی حیثیت میں اس درجہ حاصل نہیں تھی کہ وہ اس استحقاق میں اس وقت کے سارے حریفوں پر بازی لے جاتے۔ اسی وجہ سے حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا ہے کہ امیر یا امام کا قرشی ہونا شرط ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ امرا و خلفا قریش میں سے ہوں، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضور کے اس فیصلہ کی بنیاد قریش کی سیاسی حیثیت پر ہے، نہ کہ ان کے نسب و خاندان پر۔

اگر حضور کے ارشاد کا صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ مطلب سمجھا ہوتا کہ خلافت کے لیے قرشیت کی شرط اسلامی دستور کی ایک دفعہ ہے اور پھر اس چیز پر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین کا اجماع ہو گیا ہوتا تو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو اس اجماع کے ایک رکن رکین تھے اپنے زمانہ میں خلافت کے لیے ایسے لوگوں کے نام لینے کی جرأت کس طرح فرماتے جو قرشی نہیں تھے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ آخیر وقت میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ خواہش کی گئی کہ آپ اپنے بعد خلافت کے لیے کسی کو نامزد فرما دیں تو بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ کس کو نامزد کروں؟ اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو ان کو نامزد کر دیتا۔ اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زمام کس کے ہاتھ میں دے کے آئے ہو؟ تو میں عرض کر دیتا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے، اس لیے کہ میں نے تیرے رسول کو یہ فرماتے سنا تھا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قیامت کے دن تمام علما کے آگے آگے ہوں گے۔

اسی طرح انھوں نے سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اگر سالم زندہ ہوتے تو انتخاب خلیفہ کے لیے جو شوریٰ میں نے بنائی ہے، اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ میں خلافت کے لیے ان کو نامزد کر دیتا۔

غور فرمائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حسرت کے ساتھ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں، حالاں کہ وہ قرشی نہیں تھے، بلکہ انصاری تھے۔ اگر خلافت کے لیے قرشیت کی شرط پر اجماع ہو چکا ہوتا اور اس کی حیثیت ایک دستوری حکم کی ہوتی تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اجماع کا اور اسلام کے اس دستوری حکم کا پتا نہیں تھا؟ اس اجماع کی حقیقت اور اسلام کے دستور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ واقف ہیں یا نسفی صاحب اور شہرستانی صاحب؟ پھر یہ بھی نگاہ میں رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات اس زمانہ میں فرماتے ہیں جب قریش مٹ نہیں گئے تھے، بلکہ اپنی پوری قوت و شوکت کے ساتھ باقی تھے اور ان کے اندر عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے پایہ کے لیڈر موجود تھے۔

پھر اس سے زیادہ عجیب تر معاملہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ قرشی تو درکنار نسلاً عربی بھی نہیں تھے، بلکہ باتفاق عجمی تھے اور عجمی بھی کوئی آزاد عجمی نہیں، بلکہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ یا ان کی بیوی کے آزاد کردہ غلام۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ہوتے تو وہ ان کو نامزد فرما دیتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اصل یہ ہے کہ معاملہ قرشیت اور غیر قرشیت کا نہیں تھا، بلکہ سوال عامۂ مسلمین کے اعتماد کا تھا۔ اس زمانہ میں قریش کو عام مسلمانوں کا جو اعتماد حاصل تھا یا حاصل ہو سکتا تھا، اس کی بنا پر وہی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے اہل تھے، اور اپنے اس زور و اثر کے سبب سے اگر وہ کسی انصاری یا کسی عجمی نژاد آزاد کردہ غلام کو بھی اپنا معتمد اور خلیفہ بنا لیتے تو وہ بھی اس ذمہ داری کو سنبھال سکتا، لیکن ان کے اعتماد کے بغیر کسی کا حکومت چلانا ناممکن تھا۔ اس وجہ سے حضور نے فرمایا کہ خلفا قریش میں سے ہوں۔ اب آپ خود غور فرمائیے کہ عوام کے اعتماد اور حسن ظن کی بنا پر حکومت چلانے کے معاملہ میں اگر کسی جماعت کو دوسری مقابل جماعتوں پر ترجیح دی جائے تو کیا یہ وہ ترجیح ہے جس کے سبب سے اسلام کے اصول مساوات پر کوئی ضرب آئے؟ اس طرح کی ترجیح تو آج کے جمہوری نظاموں میں جمہوریت کا اصلی جمال سمجھی جاتی ہے، لیکن ہماری بدقسمتی دیکھیے کہ اسی چیز نے ہمارے ہاں نہ صرف اسلام کے ایک ستون کو ڈھا دیا، بلکہ حکمت عملی کے نام سے دوسرے بہت سے ستونوں کو ڈھانے کے لیے ایک بہت بڑے فتنے کو بھی جنم دے دیا۔

ابن خلدون کا نظریہ

اس بحث میں ہم مختصر طور پر یہاں ابن خلدون کے سیاسی نظریہ کی بھی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

ابن خلدون کے مقدمہ پر جو لوگ گہری نظر رکھتے ہیں، وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ اس کے

سیاسی نظریہ کی ساری بنیاد سیاسی وحدت و عصبیت کے وجود پر ہے۔ یہ سیاسی وحدت و عصبیت اس کے نزدیک نسل و خون کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہے، نسل ونسب کا اشتراک باہمی تعاون وتناصر پیدا کرتا ہے، اور اس تعاون وتناصر سے حمایت ومدافعت اور حصول اقتدار کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور پھر حکومت وجود میں آتی ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک سیاسی عصبیت جو حکومت کی بنیاد ہے، اگرچہ وجود میں آتی ہے نسل ونسب کے اشتراک سے، لیکن وہ نسل ونسب کو اسی وقت تک کوئی قابل لحاظ چیز قرار دیتا ہے جب تک اس کا شعور اس تعاون وتناصر کے پیدا کرنے میں مدد ومعاون ہو جس کا ذکر ہوا۔ اگر نسب کا اشتراک یہ فائدہ نہ دے رہا ہو تو ابن خلدون کے نزدیک نہ صرف یہ کہ سیاست میں اس نسب کا کوئی لحاظ نہیں ہے، بلکہ اس طرح کے نسب کے ادعا کو وہ محض ایک وہم اور ایک خبط قرار دیتا ہے۔

اس کے فلسفہ کی رو سے قریش کے سیاسی زور واثر کی بنیاد ان کی عصبیت پر تھی جس کے ساتھ دین نے مل کر ان کو خلافت کا مستحق بنا دیا، کیونکہ پورے عرب میں اس اعتبار سے ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ جب تک ان کی یہ عصبیت قائم رہی، وہ اس منصب کے اہل رہے۔ جب وہ مضمحل ہوگئی تو دوسری طاقت ور عصبیتوں نے ان کو چیلنج کیا اور حکومت ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ابن خلدون کا سیدھا سادہ فلسفہ یہ ہے جو ہم نے پیش کیا ہے۔ اب غور فرمائیے کہ اگر اس کے نزدیک قریش کے استحقاق خلافت کی بنیاد ان کی اس بالاتری پر ہے جو ان کو ان کی سیاسی عصبیت اور جماعتی زور واثر کی بدولت دوسروں کے بالمقابل حاصل تھی تو اس کے اس نظریہ کو کوئی شخص صحیح مانے یا غلط، لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس سے اسلام کا کوئی اصول ٹوٹتا ہے۔ وہ تو اگر اس دور کا آدمی ہوتا تو شاید اپنی بات اس طرح کہتا کہ چونکہ اس وقت عرب کی تمام پارٹیوں میں اسلامی اور سیاسی، دونوں نقطہ ہاے نظر سے قریش سب سے زیادہ طاقت اور اعتماد کے حامل تھے، اس وجہ سے حضور نے انھی کو حکومت چلانے کے لیے منتخب کیا۔

(اسلامی ریاست ۴۹-۶۴)

رضوان اللہ

بعد از موت

(۱۰)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جنت

انسان کی فطری خواہش ہے کہ یہ جنت کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش اس قدر عمومی ہے کہ کوئی شخص مذہب سے بے گانہ اور اخروی جنت کے تصور سے بے پروا بھی ہو، وہ اپنے حصے کی جنت کم سے کم اس دنیا میں ضرور بنا لینا چاہتا ہے۔ دنیوی جنت کے لیے اسباب چاہییں اور پروردگارِ عالم کا اذن چاہیے، مگر اخروی جنت کے لیے ایمان و عمل اور پروردگار کا فضل چاہیے۔ یہ اخروی جنت صرف ان لوگوں کا مقدر بنے گی جو خدا کے سامنے پیش ہونے کا شعور اور اس کی خاطر اپنی جنت جیسی زندگی کو بھی قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں گے۔ اس کے برخلاف جو لوگ دنیا کے ہو رہیں اور اسی میں کھو کر اپنے آپ کو آخرت سے بے نیاز کر لیں، وہ اصل جنت سے بالکل محروم رہیں گے:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (الزخرف ۴۳: ۷۲)

''اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے اپنے اعمال کے صلے میں۔''

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى. (النازعات ۷۹: ۴۰-۴۱)

''اور جو اپنے رب کے حضور میں پیشی سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہشوں کی پیروی سے روکا، تو بہشت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔''

جنت ایک پاکیزہ مقام ہے۔ اس کے مساکن، اس میں دی جانے والی زندگی، اس میں ہونے والی گفتگو، اس میں ملنے والے شراب و طعام اور ازواج، سب پاک ہوں گے، اس لیے اس میں داخل ہونے کی پہلی اور آخری شرط بھی پاک ہونا ہوگی۔ خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جنھوں نے دنیا ہی میں اپنے نفس کی گندگیوں کا ازالہ کر لیا ہوگا۔ وگرنہ بہت سے لوگوں کو قبر کی گھٹن، قیامت کے ہول، عدالت کے رعب، جزا کے دن کی حسرت و ندامت اور وہاں ہونے والی رسوائی کے ذریعے سے صاف کیا جائے گا۔ اور نہایت بد بخت ہوں گے وہ لوگ کہ جن کی آلودگی کو صرف اور صرف دوزخ کی آگ ہی صاف کر سکے گی۔ غرض یہ کہ جنت جیسے پاکیزہ مقام میں گندے نفوس کا داخلہ کسی صورت بھی ممکن نہیں ہوگا۔ اس میں جانے والے کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اپنے نفس کو آلایشوں سے پاک کر چکا ہو یا اس کے نفس کو بعد ازاں سزا دے کر پاک کر دیا گیا ہو:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا، وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰی. (طٰہٰ ۲۰: ۷۶)

’’ہمیشہ رہنے والے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ صلہ ہے ان کا جو پاکیزگی اختیار کریں۔‘‘

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا، وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا. (الشمس ۹۱: ۹-۱۰)

’’فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے آلودہ کر ڈالا۔‘‘

وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ. (آل عمران ۳: ۷۷)

’’اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان کی طرف (نگاہ التفات سے) دیکھے گا اور نہ انھیں (گناہوں سے) پاک کرے گا، بلکہ وہاں ان کے لیے ایک دردناک سزا ہے۔‘‘

جنت کوئی عارضی اور جز وقتی انعام نہیں، بلکہ یہ اس طرح کے ہر اندیشے سے مبرا ہوگی، حتیٰ کہ انقطاع کے ہر شائبے سے بھی پاک ہوگی۔ جو کوئی ایک مرتبہ اس میں داخل ہو جائے گا، وہ اس میں سے نہ کبھی نکالا جائے گا اور نہ اس کو ملنے والے انعامات میں کوئی تعطل آئے گا:

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی الۡجَنَّةِ، خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ، عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ. (ہود ۱۱: ۱۰۸)

’’رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، الاّ یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے، ایسی عطا کے طور پر جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی کہ کون کتنا زیادہ صالح ہے۔ نیکی کی راہ پر چلنے والا کوئی عام مسافر ہو یا اس پر سبقت کرنے والا خدا کا مقرب اور برگزیدہ، ہر کوئی اس میں دائمی طور پر مقیم ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات عجیب محسوس ہو کہ ان میں سے ایک کے پاس عمل کی پونجی کم ہے اور دوسرے کا دامن اس متاع عزیز سے بھرا ہوا ہے اور وہ دونوں جنت میں ابدی طور پر رہنے کے مستحق قرار پائے ہیں۔ اس کے جواب میں قرآن نے واضح کیا ہے کہ جنت میں باقاعدہ درجات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیکی میں کمی وبیشی اور اس کی کیفیت کے اعتبار سے وہاں مختلف مقامات ہوں گے۔ سابقین اولین اور عام صالحین کی جنتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی۔ ان میں دی جانے والی نعمتوں میں بھی حد درجہ تفاوت ہوگا۔[1] چنانچہ ہر ایک کے لیے جنت کا ابدی اور دائمی ہونا، نہ عجیب معاملہ ہے اور نہ یہ عدل کے خلاف ہی ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ عدل اگر اللہ کی صفت ہے تو فضل کرنا بھی اسی کا فعل ہے۔ چنانچہ جنت میں جب صالحین خواہش کریں گے کہ ان کے والدین، ان کی اولاد اور ان کے ازواج جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ رہے، اسی طرح یہاں کی مسرت بھری زندگی میں بھی وہ ان کے ساتھ رہیں تو ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے انھیں ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ نہیں ہوگی کہ صالحین کو اوپر کے درجے سے اتارا جائے اور نچلے درجے میں ان سب کو اکٹھا کر دیا جائے کہ یہ صالحین کے ساتھ ظلم اور سراسر زیادتی ہوگی۔ بلکہ خدا اپنے فضل سے یہ کرے گا کہ ان کے عزیزوں کو کم تر درجے کی جنت سے اٹھا کر، محض صالحین کی دل جوئی کے لیے، ان کے ساتھ اکٹھا کر دے گا۔ تاہم، یہ لازم ہوگا کہ ان کے یہ عزیز اپنے ایمان اور عمل کی بنیاد پر، بڑے درجے میں نہ سہی، مگر جنت میں داخل ہونے کا استحقاق ضرور ثابت کر چکے ہوں:

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

1۔ درجات کے اس فرق کو قرآن کے اس ایک مقام سے بخوبی سمجھ لیا جاسکتا ہے جہاں جنتیوں کے پینے کا ذکر ہوا تو کسی کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ خود پییں گے، کسی کو پلائے جانے کا ذکر ہوا اور کسی کے بارے میں کہا گیا کہ انھیں ان کا رب پلائے گا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ، كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا. (الدھر ۷۶: ۵)

''وفادار بندے شراب کے جام پییں گے جن میں آب کافور کی ملونی ہوگی۔''

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا. (الدھر ۷۶: ۱۷)

''انھیں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جن میں آب زنجبیل کی ملونی ہوگی۔''

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا. (الدھر ۷۶: ۲۱)

''ان کا پروردگار انھیں خود (اپنے حضور میں) شراب طہور پلائے گا۔''

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ.
(الرعد ۱۳:۲۳)

''ابد کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو اُن کے آبا و اجداد اور اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے اِس کے اہل بنیں گے۔''

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ، كُلُّ امۡرِیءٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ.
(الطّور ۵۲:۲۱)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کی اولاد بھی کسی درجۂ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے، اُن کی اس اولاد کو بھی ہم (اُنھی کے درجے میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہ کریں گے، (اس لیے کہ) ہر ایک اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔''

جنت میں رشتہ داریوں سے ہٹ کر بھی مومنین ایک دوسرے کی رفاقت سے حظ اٹھا سکیں گے۔ وہ لوگ جو دینی حوالے سے آپس میں تعلق خاطر رکھیں اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، ان میں سے کم تر درجے والوں کو بڑے درجے والوں کا ساتھ نصیب ہو جائے گا:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا، ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا.
(النساء ۴:۶۹-۷۰)

''جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہی ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق! یہ اللہ کی عنایت ہے اور (اس کے لیے) اللہ کا علم کافی ہے۔''

غرض یہ کہ جنت ایک ایسی مستقل اقامت گاہ ہے کہ جس میں مختلف درجات بھی ہوں گے اور ہر دم خدا کا فضل بھی جنت والوں کے شامل حال ہوگا۔

جہاں تک اس کی حدوں کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی قید خانہ نہیں کہ اس میں تنگی کی مصیبت اور گھٹن کا احساس ہو، بلکہ یہ نیک کاروں کی عمر بھر کی کمائی اور ان پر خدا کی بے پایاں نعمتوں کی تعبیر ہے۔ یہ بات خود اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ حدوں سے مطلق بے پروا اور تنگنائیوں سے قطعی ناآشنا ہو۔ قرآن نے اس کی وسعتوں کو کائنات کی وسعتوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَسَارِعُوۡٓا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ،

''اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف

عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ، اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ. (آل عمران ۳:۱۳۳)

بڑھ جانے کے لیے دوڑو جس کی وسعت زمین و آسمان جیسی ہے، پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

خدا کی عدالت جب صالحین کو ان کی کامیابی کی خوش خبری سنا دے گی تو وہ جنت جس پر ابھی تک ان کا غیبی ایمان تھا، اُن کے بالکل سامنے کر دی جائے گی۔ کسی کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ شاید یہ ان سے دور ہو گی جو اس کو نزدیک کیا جائے گا۔ اس غلط فہمی کو ذیل کی آیت میں 'غَيۡرَ بَعِيۡدٍ' کہہ کر دور کر دیا گیا ہے۔ یعنی یہ دوری اور پھر اس کی نزدیکی، بس اتنی ہی ہو گی جیسے کسی پر تکلف ضیافت میں دسترخوان پر پڑی رکابی مہمان سے ذرا سی دور ہو اور اُس کی تکریم کے لیے اس کو سرکا کر کچھ آگے کر دیا جائے:

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ. (قٓ ۵۰:۳۱)

''اور جنت ان لوگوں کے قریب لائی جائے گی جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور وہ کچھ زیادہ دور نہ ہو گی۔''

جب لوگ جنت کی طرف چل پڑیں گے تو ان کے اعزاز اور ان کی رہنمائی کے لیے روشنی کا خوب انتظام ہو گا۔ ان کے آگے اور ان کے دائیں ان کی روشنی ہو گی جو ان کے ساتھ ساتھ چل رہی ہو گی:

يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ. (الحدید ۵۷:۱۲)

''اُس دن جبکہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دائیں چل رہی ہے۔''

لوگ جماعتوں کی صورت میں ہوں گے اور فرشتے انھیں اپنے جلو میں لے کر چلے جا رہے ہوں گے۔ یہ نہیں ہو گا کہ جب یہ جنت کے قریب پہنچیں تو اُس وقت دروازے کھولے جائیں اور انھیں اس کے اندر یوں دھکیل دیا جائے جیسے جیل کے پھاٹک کی کھڑکی کو کھول کر مجرموں کو اندر ٹھونس دیا جاتا ہے، بلکہ یہ ابھی دور سے آتے ہوں گے اور جنت کے دروازے پہلے سے کھول دیے جائیں گے۔ گویا یہ خدا کے معزز اور صاحب تکریم مہمان ہیں کہ جن کا وہاں شدت سے انتظار ہو رہا ہے:

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا، حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا.... (الزمر ۳۹:۷۳)

''جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، انھیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول کر رکھے گئے ہوں گے...۔''

وَاِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ لَحُسۡنَ مَاٰبٍ، جَنّٰتِ عَدۡنٍ

''بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اچھا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ. (صٓ ۳۸: ۴۹-۵۰)

ٹھکانا ہے، ہمیشہ کے باغ، جن کے دروازے اُن کے لیے کھول کر رکھے گئے ہوں گے۔‘‘

ان کے آنے کی خوشی میں وہاں عید کا سا سماں ہوگا۔ جنت پر مامور فرشتے انھیں خوش آمدید کہیں گے۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں آرہی ہوگی۔ بشارتوں اور خوش خبریوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہوگا۔ اس قدر عزت افزائی اور اس طرح کا خیر مقدم دیکھ کر انھیں دنیا میں خدا کی بندگی میں اٹھایا جانے والا اپنا ہر قدم بہت کم تر محسوس ہوگا اور ان کی زبان پر بے ساختہ اپنے رب کے لیے شکریہ کے کلمات جاری ہو جائیں گے:

وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ، وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ. (الزمر ۳۹: ۷۳-۷۴)

’’جنت کے پاسبان انھیں کہیں گے: تم پر سلام ہو، شادر ہو، سو اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ کے لیے۔ وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچا کر دکھایا‘‘

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جنت میں داخل ہو جانے کے بعد بھی سلامتی کی دعائیں اور مبارک بادی کے پیغامات جاری رہیں گے۔ جنت اور دوزخ کے درمیان کی دیوار پر جو برجیاں اور مینارے بنے ہوں گے، ان میں براجمان بڑے بڑے لوگ انھیں جنت میں دیکھ کر سلام کریں گے اور ابدی بادشاہی کی بشارت دیں گے:

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّا ۢ بِسِيۡمٰهُمۡ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ... اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ. (الاعراف ۷: ۴۶، ۴۹)

’’ان دونوں گروہوں کے درمیان پردے کی دیوار ہوگی اور دیوار کی برجیوں پر کچھ نمایاں اور ممتاز لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اور جنت کے لوگوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو... تم جنت میں داخل رہو، اب نہ تمھارے لیے کوئی خوف ہے اور نہ تم کبھی غم زدہ ہو گے۔‘‘

صالحین کو پہلے پہل جس جنت میں اتارا جائے گا، وہ ان کی مستقل قیام گاہ نہیں ہوگی۔ جس طرح مہمان کے سواری سے اترتے ہی پہلے ہلکی پھلکی تواضع کی جاتی اور ذرا سی دیر کے لیے آرام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس کے بعد اصل کھانے اور اس کی رہایش کا انتظام ہوتا ہے، اسی طرح یہ جنت بھی ان کی اولین ضیافت ہوگی جو یہاں پہنچتے ہی پہلے مرحلے میں ان کو دی جائے گی اور خدا کی فرماں برداری میں کیے جانے والے ان کے سفر کی ساری تکان دور کر دے گی:

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی، نُزُلًاۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ.

''جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے، اُن کے لیے راحت کے باغ ہیں، اولین ضیافت، جو اُن کو ان کے اعمال کے صلے میں دی جائے گی۔'' (السجدہ ۳۲:۱۹)

اس کے بعد اصل جنت کا دور شروع ہوگا۔ ان کی وہ زندگی شروع ہوگی جو موت سے یک سر نا آشنا اور عدم و نیست سے بالکل ناواقف ہوگی۔ ان کی لذت بھری صبحیں کبھی شام میں نہ بدلیں گی۔ انھیں ملنے والی راحتیں ابدی اور ان پر ہونے والی نوازشیں مسلسل ہوں گی۔ اور ان کی مسرتوں کے عروج کسی بھی طرح کے زوال سے ہمیشہ بے پروا رہیں گے۔ بس کیف ہوگا اور سرور ہوگا۔ جام ہوں گے اور شباب ہوگا۔ ہر طرف امن ہوگا۔ اطمینان اور راحت کا بسیرا ہوگا۔ مغنیوں کے ساز ہواؤں میں سُر بکھیرتے ہوں گے اور رحمت کی گھٹائیں ہر دم امنڈی پڑ رہی ہوں گی۔ ابر کرم آئیں گے۔ ناچیں گے اور گائیں گے اور رم جھم برستے جائیں گے۔ غرض یہ کہ جود و سخا کی ہر داستان وہاں زندہ اور اس کے سارے تخیل حقیقت میں ڈھل جائیں گے۔

جنت خدا کا وہ بیش قیمت انعام ہے جس کا اس دنیا میں کامل طور پر تصور کر لینا ممکن نہیں۔ اس لیے اسے بیان کرنے کے لیے اُس نے تشبیہ کا اسلوب اختیار کیا ہے اور وہاں دی جانے والی نعمتوں کی فراوانی اور آزادی اور خود مختاری کو بیان کرنے کے لیے بادشاہی اور اس کے لوازم کو مستعار لیا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن میں اس کے لیے بالعموم 'جنت' کا لفظ لایا گیا ہے جو عربی زبان میں باغ کے لیے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس قدر بھی متمدن ہو جائے اور فطرت سے منہ موڑ کر بناوٹ میں کھو کر رہ جائے، اس کے باوجود اگر اس سے پوچھا جائے کہ اس کے رہنے کی قابل رشک جگہ کیسی ہو تو وہ جواب میں جو کچھ بھی کہے گا، اس میں ایک باغ کا تصور ضرور موجود ہوگا۔ اس کے نزدیک نعمتوں کا بیان اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس میں چمنستانوں اور گل زاروں کا ذکر نہ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہوئی کہ خدا نے جب اس کے انعام کا بیان کیا تو اس کی اسی خواہش کی رعایت سے اس میں ''جنت'' کو مرکزی حیثیت سے بیان کیا۔

باغوں میں بہار آتی ہے۔ ہر درخت برگ و بار لا رہا اور ہر پودا شادابی کا ایک باب رقم کر رہا ہوتا ہے۔ پھر ذرا سی رُت کیا بدلتی ہے کہ گل و بلبل پر اداسی چھانے لگتی ہے۔ لہلہاتے باغ اور ہواؤں سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے پھول، ساری مستیاں بھول جاتے اور اپنا سب کچھ خزاں کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں، یہاں تک کہ باغبانوں کے دل لہو ہو جاتے اور ان کے جگر بھی سوز آشنا ہونے لگتے ہیں۔ یہ بہار کے ساتھ مستقل طور پر جڑی ہوئی خزاں ہے جو اس

دنیوی جنت کی، بہر حال، ایک تلخ حقیقت ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور جو چیز امتحان کے لیے بنی ہو، اس کے ہمیشہ قائم رہنے کا تصور بالکل نامعقول ہے، چنانچہ پروردگار نے یہ دنیا اور اس کی رونقیں بنائی ہی مرجھا جانے کے لیے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں جو آخرت کی جنت ہوگی، وہ صالحین کو امتحان کے طور پر نہیں، بلکہ انعام کے طور پر دی جائے گی، اس لیے اس کی بہاریں ہمیشہ کے لیے قائم رہیں گی:

جَنّٰتِ عَدۡنِ ۨ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ، اِنَّہٗ کَانَ وَعۡدُہٗ مَاۡتِیًّا. (مریم ۱۹:۶۱)

”ہمیشہ رہنے والے باغوں میں، جن کا خداے رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ اس کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔“

قُلۡ اَذٰلِکَ خَیۡرٌ اَمۡ جَنَّۃُ الۡخُلۡدِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ. (الفرقان ۲۵:۱۵)

”ان سے پوچھو، کیا یہ (دوزخ) بہتر ہے یا ہمیشہ کی جنت جس کا وعدہ خدا سے ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے۔“

مزید فرمایا ہے کہ وہاں کے درخت ٹُھونٹھ اور مرجھائے ہوئے نہیں، بلکہ سرسبز ہوں گے۔ ان کی ہر طرف پھیلی ہوئی اور نہایت گھنی چھاؤں جنتیوں پر سایہ کیے ہوگی اور ان پر پھلوں کی اس قدر کثرت ہوگی کہ ان کے بوجھ سے شاخیں بھی جھکی پڑ رہی ہوں گی:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَدَانِیَۃً عَلَیۡہِمۡ ظِلٰلُہَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُہَا تَذۡلِیۡلًا. (الدھر ۷۶:۱۴)

”اُس کے درختوں کے سایے اُن پر جھکے ہوئے اور اُن کے خوشے بالکل اُن کی دسترس میں ہوں گے۔“

ان باغوں کو سرسبز رکھنے کا یہ انتظام ہوگا کہ وہاں نہریں بہتی اور ندیاں جھومتی ہوں گی۔ کہیں چشمے پھوٹ کر بہ رہے ہوں گے تو کہیں دور گرنے والے جھرنے بھی اپنا اپنا ترنم سنا رہے ہوں گے۔ اور یہ سب کچھ جنت کی رونق کو بھی بڑھائے گا، اور جنتیوں کی تسکین بصارت کا بھی باعث ہوگا:

وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ. (التوبہ ۹:۷۲)

”اِن مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے ان باغوں کے لیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔“

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ. (الحجر ۱۵:۴۵)

”جو خدا سے ڈرنے والے ہیں، وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔“

بلندی پر موجود باغ جس طرح موسم کی سختیوں اور آفتوں سے محفوظ ہوتے ہیں، اسی طرح دیکھنے میں بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اہل عرب کے ہاں اچھے باغ کا تصور یہی تھا کہ وہ بلندی پر ہو اور اس کے کناروں پر کھجور کے

درختوں کی باڑھ ہو۔اس سے یہ بادسموم اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچے رہیں اور نظروں کے لیے بھی نہایت جاذب ہوں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ، لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ، فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ. (الغاشیہ ۸۸: ۸-۱۰)

''کتنے چہرے اُس دن پُر رونق ہوں گے، اپنی سعی پر راضی، ایک اونچے باغ میں۔''

ان باغات کا موسم بڑا ہی خوش گوار اور معتدل ہوگا۔ وہاں تھپک تھپک کر سلا دینے والی نرم رَو ہوائیں بھی ہوں گی اور صبح دم سہانے خوابوں سے جگا دینے والی بادصبا بھی ہوگی، مگر چہروں کو جھلس دینے والی لو، بیخ وبُن سے اکھاڑ دینے والی صرصر، خون کو جما دینے والی خنک ہواؤں اور سنسناتے ہوئے جھکڑوں کا وہاں گزر تک نہ ہوگا۔ وہاں کا سورج جنتیوں کو روشنی اور قوت بخش حرارت تو مہیا کرے گا، مگر اس میں جلا دینے والی تمازت اور آگ برساتی ہوئی حدت بالکل نہ ہوگی:

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا. (الدھر ۷۶: ۱۳)

''وہ نہ اُس میں دھوپ کی حدت دیکھیں گے، نہ سرما کی شدت۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جنت کے باغات اپنے حسن، دل فریبی اور موسموں میں تو بے نظیر ہوں گے، ان میں امن وسلامتی کی باد بہاری بھی چلتی ہوگی۔ وہاں نفرت ہوگی نہ کدورت۔ بغض ہوگا اور نہ کسی قسم کا عناد۔ عیب جوئیوں اور بدگمانیوں کا کوئی نشان تک نہ ہوگا۔ یہ تو سپنوں بھری وہ دنیا ہوگی کہ جس میں ہر دم محبت اور الفت کے نغمے گونجتے ہوں گے، یہاں تک کہ فرشتے جنت کی ہر سمت کے دروازوں میں سے جب جب ان پر داخل ہوا کریں گے، سلامتی کی دعائیں کرتے ہوئے داخل ہوا کریں گے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا، اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا. (الواقعہ ۵۶: ۲۵-۲۶)

''وہ اُس میں کوئی بے ہودہ بات اور کوئی گناہ کی بات نہ سنیں گے۔ صرف مبارک سلامت کے چرچے ہوں گے۔''

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. (الرعد ۱۳: ۲۳-۲۴)

''فرشتے ہر دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے): تم لوگوں پر سلامتی ہو، اس لیے کہ تم ثابت قدم رہے۔ سو کیا ہی خوب ہے انجام کار کی یہ کامیابی!''

جنتیوں کے رہنے کے لیے بنائے گئے قصر وایوان بھی اپنی مثال آپ ہوں گے۔ ان کثیر منزلہ عمارتوں کو صرف

اینٹ گارے سے بنا کر نہ چھوڑ دیا گیا ہوگا، بلکہ ان میں ہر طرح کی سہولیات میسر اور انھیں ہر طرح کی آرایش سے باقاعدہ مزین کیا گیا ہوگا۔ ان دودھ دُھلے، موتیوں سجے اور سونے چاندی سے ڈھلے ہوئے محلوں میں موجود بالا خانے، ان کے تعمیری حسن میں بھی اضافہ کریں گے اور جنتیوں کی تفریح اور ان کی ہوا خوری کا بھی خوب سامان کریں گے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا. (العنکبوت ۲۹:۵۸)

''جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم انھیں جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔''

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ. (الزمر ۳۹:۲۰)

''البتہ جو اپنے رب سے ڈرے اُن کے لیے بالا خانے ہوں گے اور ان کے اوپر مزید بالا خانے جو آراستہ کیے گئے ہوں گے۔''

جنت کی آرایش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ باغوں کے اندر سے بھی چشمے گزر رہے ہوں گے۔ بیٹھنے کے لیے بادشاہوں کے تخت کی طرح اونچی اونچی مسندیں ہوں گی۔ ان کے سامنے بڑے سلیقے سے ظروف سجا دیے گئے ہوں گے۔ غالیچے اور قالین آپس میں اس طرح پیوستہ بچھے ہوں گے کہ ان کے درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے گی اور مزید یہ کہ اُن پر تکیے اور نہالچے ہر طرف بکھرے پڑے ہوں گے:

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ، فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ، وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ، وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ، وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ. (الغاشیہ ۸۸:۱۲-۱۶)

''اُس میں چشمہ رواں ہوگا۔ اُس میں اونچی مسندیں بچھی ہوں گی اور ساغر قرینے سے رکھے ہوئے اور غالیچے ترتیب سے لگے ہوئے اور نہالچے ہر طرف پڑے ہوئے۔''

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مولانا امین احسن اصلاحی

ضبط ولادت کے حق میں قرآن سے استدلال

سوال: قرآنی نظام ربوبیت کے علم بردار رسالہ نے اپنے جولائی ۶۰ء کے شمارہ میں قرآن مجید کی ایک آیت سے ضبط ولادت کے حق میں استدلال کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''بچوں کو عندالضرورت پیدا کرنا ہی اس صلاحیت کا (اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا) صحیح استعمال ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ، ''تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی کے بمنزلہ ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں جب چاہو آؤ'' (البقرہ ۲: ۲۲۳)۔ کھیتی کی تشبیہ سے یہ کہنا مقصود ہے کہ وہ اولاد کی پیدایش کا ذریعہ ہیں اور ''جب چاہو'' سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کھیت میں عندالضرورت فصل اگائی جاتی ہے، اسی طرح اولاد بھی عندالضرورت پیدا کی جائے گی۔''

براہ کرم واضح فرمایئے کہ کیا قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے ضبط ولادت کے حق میں مذکورہ استدلال صحیح ہے؟

جواب: ضبط ولادت کے مسئلہ سے تو ہمیں نفیاً یا اثباتاً کچھ زیادہ دل چسپی نہیں ہے، لیکن قرآن مجید سے دل چسپی ضرور ہے، اس وجہ سے ہمیں مذکورہ آیت اور اس کے سیاق وسباق پر اچھی طرح غور کرنا پڑا۔ اور اس غور وفکر کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے نہ صرف یہ کہ ضبط ولادت کے حق میں کوئی دلیل نہیں نکلتی، بلکہ یہ آیت مختلف پہلوؤں سے ضبط ولادت کے نظریہ کے بالکل خلاف جاتی ہے۔ جو لوگ اس آیت سے ضبط ولادت کی تائید نکال سکتے ہیں، وہ قرآن سے جو چاہیں نکال سکتے ہیں، کوئی شخص بھی ایسے بے لگام لوگوں کا منہ نہیں بند کر سکتا۔

قرآن مجید نے عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دے کر نہایت لطیف انداز میں بہت سی باتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

ہم ان میں سے چند اہم باتوں کی یہاں وضاحت کرتے ہیں، آپ ان سے خود نہایت بہتر طریق پر اندازہ کر لیں گے کہ یہ باتیں ضبط ولادت کے حق میں جاتی ہیں یا اس کے خلاف۔

عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دینے سے پہلی بات تو یہ نکلتی ہے کہ جس طرح کھیتی سے اصل مقصود پیداوار حاصل کرنا ہوتا ہے، اسی طرح عورتوں کا اصل مقصود افزایش نسل انسانی ہے۔ جس طرح اس مقصد سے نکل جانے کے بعد کھیتی کھیتی نہیں رہ جاتی ہے، اسی طرح مذکورہ مقصد سے نکل جانے کے بعد عورت عورت نہیں باقی رہتی۔

دوسری بات یہ نکلتی ہے کہ جس طرح ہر کسان زرخیز اور فصل آور زمین کا اپنے لیے انتخاب کرتا ہے، نہ کہ شور اور بنجر زمین کا، اسی طرح ہر مرد کو ازدواجی تعلق کے لیے ایسی عورت کا انتخاب کرنا چاہیے جو بچے جننے والی، بچوں سے محبت کرنے والی اور بچوں کی آرزو رکھنے والی ہو، نہ کہ بانجھ اور عقیم اور اولاد سے بے زار عورت کا، خواہ اس کا بانجھ پن مصنوعی ہو، یا حقیقی۔ اسی حقیقت کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح واضح فرمایا کہ 'أنکحوا الولود الودود فانیّ مکاثر بکم الأمم یوم القیٰمة او کما قال' یعنی بچے جننے والیوں اور محبت کرنے والیوں سے شادیاں کرو، کیونکہ میں قیامت کے دن تمھاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابل میں فخر کرنے والا ہوں۔

تیسری بات اس سے یہ نکلتی ہے کہ جس طرح ایک زیرک اور ہوش مند کسان موسم پر اپنے کھیت میں ہل چلاتا اور تخم ریزی کرتا ہے، اگر وہ زمین کو بغیر تخم ریزی کے چھوڑے رکھے تو اپنی انفرادی دولت کو بھی نقصان پہنچائے اور ملک کی اجتماعی دولت کو بھی۔ اسی طرح جو شخص عورت کی بارآوری اور اس کی آمادگی کے زمانہ کو ضائع کرتا ہے، وہ اپنی شخصی ثروت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور مجموعی طور پر بنی نوع انسان کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

چوتھی بات اس سے یہ نکلتی ہے کہ جس طرح کوئی کسان اپنی زمین میں اس مقصد کے لیے کبھی زہر پاشی نہیں کرتا کہ اس کی زمین شور اور بنجر ہو جائے یا اس میں بوئے ہوئے تخم مارے جائیں، اسی طرح کسی مرد کے لیے بھی یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی کہ وہ عورت کو ناقابل ولادت بنا دینے کی تدبیریں کرے یا ایسی صورتیں اختیار کرے جس سے نطفہ قرار نہ پکڑ سکے یا حمل ضائع ہو جائے۔

پانچویں بات اس سے یہ نکلتی ہے کہ جس طرح کوئی کسان اپنی زمین میں محض محنت برائے محنت کے لیے ہل چلانے کی حماقت نہیں کرتا، بلکہ ہل چلاتا ہے تو پیش نظر تخم ریزی بھی ہوتی ہے، اسی طرح ایک مرد کے لیے بھی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ محض اپنے بدن کا خمار نکالنے کے لیے تو عورت سے مواصلت کا خواہش مند ہو، لیکن بیوی کے حاملہ ہو جانے کی ذمہ داریوں سے گھبرائے۔ چنانچہ زیر بحث آیت میں جہاں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنی کھیتی میں جب چاہو آؤ۔

تو وہیں یہ بات بھی فرمائی ہے کہ 'قَدِّمُوا لِاَنفُسِکُمْ' اور اپنی نسل کو آگے بڑھاؤ۔

یہ ہم نے اس تشبیہ کے صرف چند واضح پہلوؤں کی طرف اشارات کیے ہیں اور پیش نظر اختصار ہے، ورنہ اس تشبیہ سے اور بھی بہت سی حقیقتیں واضح ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جس طرح ایک کسان اپنی کھیتی کی چرند و پرند اور آیند و روند سے حفاظت کرتا ہے، اسی طرح مرد کو بھی عورت کی حفاظت و نگہداشت کرنی چاہیے۔ جس طرح کھیتی کے لیے موسم ہیں اور ان کا لحاظ ضروری ہے، اسی طرح عورت سے قربت کے بھی خاص زمانے ہیں اور صحت و بقائے نسل کے پہلو سے ان کا اہتمام ضروری ہے۔ نیز جس طرح کھیتی میں تخم ریزی کا اصلی محل کھیت ہوتا ہے، اسی طرح عورت کے معاملہ میں بھی قانون فطرت کی پابندی لازمی ہے۔ اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔

غور کیجیے تو مذکورہ تشبیہ قرآنی سے یہ ساری باتیں نکلتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بات بھی آپ ایسی نہیں بتا سکتے جو ضبط ولادت کے حق میں جاتی ہو، لیکن ساون کے اندھوں کو ہمیشہ ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔ جو لوگ قرآن میں ہمیشہ اپنی خواہشیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ ان گوشوں سے بھی اپنے مطلب کی بات ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں جہاں دور دور بھی اس کے پائے جانے کا کوئی امکان نہیں۔ ان ذہین لوگوں سے بعید نہیں کہ اس تشبیہ کے مذکورہ نکات سننے کے بعد یہ سوال کر بیٹھیں کہ جب کھیتی کی تشبیہ سے یہ سارے مضمون نکلتے ہیں تو پھر کیوں نہ عورت کو بیع، رہن اور ہبہ کے لیے بھی مباح کر دیا جائے، کیونکہ کھیتی پر تو یہ سارے تصرفات بھی جاری ہوتے ہیں؟ ایسے نکتہ طرازوں کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ یہ بات صحیح ہوتی اگر عورت کے حقوق، اس کی حیثیت اور اس کے درجہ و مرتبہ کو واضح کرنے والی قرآن میں صرف یہی ایک آیت ہوتی۔ لیکن قرآن اور حدیث میں عورتوں سے متعلق اور بھی احکام و ہدایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اگر مذکورہ بالا اعتبارات سے کھیتی سے مشابہت رکھتی ہے تو اپنے دوسرے پہلوؤں سے وہ انسانیت کا آدھا حصہ ہے، اس وجہ سے اس پر وہ قوانین بھی جاری ہوتے ہیں جو اسلام نے اس کی انسانی حیثیت کے تحفظ و تعین کے لیے بنائے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہماری سمجھ میں یہ اولاد پیدا کرنے والے کے لیے ''عند الضرورت'' کی قید و شرط بھی نہیں آئی۔ آخر اس ضرورت کا فیصلہ کون کرے گا۔ اور اس فیصلہ کے لیے معیار کیا ہوگا؟ اس کا فیصلہ تو وہی کر سکتا ہے جو اولاد پیدا کرنے پر قادر ہو۔ یہ قدرت افراد کو تو حاصل نہیں کہ وہ جب چاہیں اور جس صنف کی چاہیں اولاد پیدا کر لیں۔ کتنے افراد ہیں جو زندگی بھر اولاد کے لیے ترستے رہتے ہیں، لیکن اولاد سے محروم ہی رہتے ہیں۔ کتنے ہیں جو اولاد نرینہ کے لیے ترستے مر جاتے ہیں، لیکن ان کے ہاں بیٹیاں ہی بیٹیاں جنم لیتی ہیں۔ افراد کے بس میں اگر ہے تو مواصلت کرنا یا نہ کرنا

ہے۔ رہا اولاد کے پیدا ہونے اور نہ ہونے کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، نہ کہ ہمارے اور آپ کے، کہ اب ضرورت آپڑی ہے، اس لیے اتنے بیٹے اور بیٹیاں پیدا کر لیجیے، اور اب ضرورت باقی نہیں رہی ہے، اس لیے اس سلسلہ کو بند کر دیجیے۔ اس قسم کی منصوبہ بندی تو وہی کر سکتا ہے جو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور مارنے پر بھی۔ اس وجہ سے جب تک ہماری سائنس موت اور زندگی پر کنٹرول نہیں کر پاتی ہے، اس وقت تک تو یہ بیل ہمیں منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ہے[1]۔

پھر ضرورت کے لیے آخر معیار کیا ہو گا؟ ظاہر ہے کہ ضبط ولادت کا مسئلہ روٹی کے سوال نے پیدا کیا ہے، اس وجہ سے روٹی ہی اس کے لیے معیار قرار پائے گی، یعنی جس کے پاس کھانے کے لیے جتنی ہی روٹی ہو، اتنے ہی بچے پیدا کر لے۔ لیکن ایمان داری کے ساتھ غور کیجیے کہ روٹی ہی انسان کے اپنے اختیار میں کب ہے۔ افراد ہوں یا حکومتیں، روٹی پیدا کرنے کے لیے منصوبے تو بنا سکتے ہیں، لیکن روٹی صرف منصوبوں سے تو نہیں پیدا ہوتی۔ اس میں تو صدہا دوسرے عوامل بھی کام کرتے ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جن پر ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے، بلکہ وہ تمام تر خالق کائنات کے اختیار میں ہیں۔ اس وجہ سے ہم یہ کوشش تو بے شک کر سکتے ہیں کہ اپنی پیداوار بڑھائیں، لیکن یہ سوال کہ ہماری کوشش سے روٹی پیدا ہو گی کتنی؟ اس کا علم صرف اس کو ہے جو آسمان و زمین اور ابر و ہوا کا مالک ہے۔

یہاں یہ بحث تو صرف قرآن مجید کی مذکورہ بالا تشبیہ کے تعلق سے پیدا ہو گئی ہے اور ہماری گزارش کا مقصود صرف یہ ہے کہ مذکورہ تشبیہ کسی پہلو سے بھی ضبط ولادت کے معروف نظریہ کے حق میں نہیں جاتی۔ رہے وہ معاشی دلائل جو اس کے حق میں دیے جاتے ہیں تو ان پر یہاں گفتگو کا موقع نہیں ہے۔ ہم ہر مسئلہ پر پہلے اس کے اسلامی و اخلاقی پہلو سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ کسی مسئلہ پر معاشی پہلو سے غور کرنا بھی ضروری ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بعد کی چیز ہے۔ ہم جب اس کے اخلاقی پہلو پر غور کرتے ہیں تو ہمارا دل کانپ جاتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ زنا کو روکنے والی چیزوں میں ایک بہت بڑی چیز حمل کا خوف ہے۔ اگر یہ خوف دلوں سے نکل جائے تو موجودہ معاشرے کی سب سے زیادہ عام وبا پھر زنا ہی کو سمجھیے۔ جس ملک کے نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں جیبوں میں مانع حمل گولیاں لیے پھریں گے، اس ملک کے اخلاقی دیوالیہ پن میں وہی شبہ کر سکتا ہے جس کی عقل میں کچھ فتور ہو۔

(تفہیم دین ۳۶-۴۰)

---

[1] اس موضوع پر مفصل بحث ''مقالات اصلاحی'' جلد اول میں موجود ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

○

آئے وہ جب کنار جو لطف خرام کے لیے
پھر وہی مے کدہ بھی تھا شرب مدام کے لیے

تیرے جہاں میں اب کہاں پھر وہ جہاں کہ جس میں تھے
میرے تمام روز و شب تیرے ہی نام کے لیے

ہر سو حریف تھے مگر تو نے بچا کے سینت لیں
علم و نظر کی ندرتیں اپنے غلام کے لیے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا، صدیوں سے رایگاں ہے کیوں
انجم شب کی جستجو ماہ تمام کے لیے

رات کی نیند اڑ گئی ، پھوٹ رہی ہے پو کہیں
پھر کوئی بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

ایک نگاہ تھی ، مگر ہر شے حرام کر گئی
آئے تھے ہم بھی ساقیا ، بادہ و جام کے لیے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہے یہی زندگی تو پھر میرے وجود میں نہاں
آئی کہاں سے یہ تڑپ عیش دوام کے لیے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org